مجلہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایما اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

ماھنامہ ______ لاھور

خط و کتابت: ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660 ٹیلی فون: 876219 فیکس: 92-42-876219

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ طلوع اسلام	2
قائداعظم کا پاکستان	علی محمد چدھڑ (گوجرانوالہ)	10
وادی نمل	علامہ رحمت اللہ طارق (ملتان)	19
اقبال اور قرآن	عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ (پشاور)	31
طاہرہ	احمد حسین قیصرانی (لاہور)	38
واعتصموا بحبل اللہ جمیعا" ولا تفرقو	خان افضل آفریدی (خیبر ایجنسی)	42
اپنی محنت کی کمائی	شائستہ اشرف (سرگودھا)	47
بت خانے	ملک حنیف وجدانی	49
Purdah	Shamim Anwar	54
Philosophy of Girhori	Allama I.I.Kazi	64

انتظامیہ :- چیئرمین : ایاز حسین انصاری ۔۔ ناظم : محمد لطیف چوہدری
مدیر مسئول : محمد لطیف چوہدری ۔۔ مجلس ادارت : میجر محمد یوسف ڈار۔ محمد عمر دراز۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر ۔۔
ناشر: عطاء الرحمٰن ارائیں
طابع : خالد منصور نسیم ۔۔ مطبع : النور پرنٹرز و پبلشرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور۔
مقام اشاعت : B-25 گلبرگ 2 لاہور۔ 54660

جلد 49 شمارہ 8 اگست 1996ء

بدل اشتراک

فی پرچہ =/10 روپے
اندرون ملک سالانہ 120 روپے
ایشیا' افریقہ' یورپ 550 روپے
آسٹریلیا' امریکہ' کینیڈا 750 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

1- اکابرینِ حکومت سے ایک سوال؟

آپ نے مجموعی قومی آمدنی کے مقابلے میں اپنی شاہ خرچیوں سے پیدا ہونے والا خسارہ پورا کرنے کے لئے قوم پر 41 ارب روپے کا اضافی بوجھ ڈال دیا جس کے خلاف نہ داد قبول ہوئی نہ فریاد درخور اعتناء ٹھہری۔

آپ کے مالیاتی نورتنوں کے اس چمتکار پر اگرچہ قوم کا ہر فرد نوحہ کناں ہے' تاہم صنعتکار اور دکاندار کے لئے کم از کم ایک ڈھارس تو موجود ہے کہ وہ اضافی جرمانے کی یہ رقم اشیائے فروخت کی قیمت میں شامل کر کے کسی نہ کسی طور گاہکوں سے وصول کر کے اپنا گھاٹا پورا کر لیں گے' لیکن تنخواہ دار طبقہ جس کے لئے جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنا پہلے ہی دشوار ہو رہا تھا' اپنی متعین آمدنی اور ماہرین بجٹ کی پیدا کردہ روز افزوں مہنگائی کی وجہ سے پیدا ہونے والے اخراجات کا خسارہ پورا کرنے کے لئے کونسا حربہ اختیار کریں؟ چوری کریں' رشوت لیں یا تنگدستی کے ہاتھوں مایوس ہو کر خودکشی کا سوچیں؟ اکابرینِ حکومت کو اس بات کا بھی احساس ہونا چاہئے کہ جسمانی اعتبار سے قوم کا ہر فرد دن بدن مفلوج ہو رہا ہے' کسی چہرے پر تازگی و بشاشت نظر نہیں آتی' کسی کے جسم میں تازہ خون دوڑتا دکھائی نہیں دیتا۔ اُونچے طبقے کے لوگ سرِشام ساغر کی کرامات سے اور ان کی بیگمات غازہ کے تصدق اپنے چہروں پر مصنوعی سُرخیاں پیدا کر لیتے ہیں لیکن نیچے طبقے والے اس سے بھی محروم ہیں۔

اس پژمردگی اور زرد روئی کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ قوم کی اکثریت کی یہ حالت ہے کہ ان کی آمدنی اتنی نہیں جس سے وہ اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے لئے متوازن غذا خرید سکیں۔ خواص کے پاس دولت تو ہے لیکن خالص غذا کا ملنا ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ عوامی سطح پر تجزیہ اگر ممکن نہ تھا تو بھی ماہرینِ بجٹ اپنے دفتر میں کام کرنے والے کسی کلرک کی تنخواہ سے اندازہ لگا لیتے۔ اس کلرک کا خاندان اگر میاں بیوی اور دو تین بچوں پر مشتمل ہو تو بھی اس تنخواہ سے جو حکومت اسے دیتی ہے' وہ بیچارہ کیا خرید سکتا ہے۔ جبکہ اسی تنخواہ سے اس نے پانی' بجلی' گیس کے بل بھی ادا کرنے ہوں' کپڑے بھی بنوانے ہوں' بچوں کی سکول کی فیس اور (لازمی) ٹیوشن بھی ادا کرنی ہو اور دفتر آنے جانے کا خرچ بھی برداشت کرنا ہو۔ بیماری اور حادثات اس سے الگ ہیں۔ جہاں ملک کا اتنا بڑا بجٹ بنایا تھا' وہاں یہ چھوٹا سا بجٹ بنا کر بھی دیکھ لیا جاتا۔ حکومت کا دعویٰ ہے کہ اس کی مالی پالیسیوں کی بدولت ملک میں خوشحالی آئی ہے۔ قیمتوں میں استحکام پیدا ہوا ہے اور عوام یہ دیکھ کر پریشان ہیں کہ باقی چیزیں تو چھوڑیئے' اشیائے خور و نوش

کی قیمتیں جو سال میں ایک آدھ بار بڑھا کرتی تھیں اب صبح و شام بڑھتی ہیں اور روٹی، کپڑا اور مکان فراہم کرنے کے وعدے پر وجود میں آنے والی حکومت کے دور میں حالت یہ ہو چکی ہے کہ عام آدمی کے لئے مکان بنانا خیالِ خام بن چکا ہے، کپڑا اس کی قوتِ خرید سے باہر ہو رہا ہے اور روٹی اتنی مہنگی ہو چکی ہے کہ ہر فرد سراپا احتجاج نظر آتا ہے۔

ملک کی انتظامی مشینری کی دن بدن بڑھتی ہوئی خرابیوں کو دیکھ کر ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں اصلاح کیوں نہیں ہوتی۔ اس سوال کا جواب کوئی کچھ دیتا ہے کوئی کچھ، اور جب ایک حساس قلب دیکھتا ہے کہ ان جوابات کے باوجود حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں تو وہ مستقبل کی طرف سے مایوس ہو جاتا ہے۔ یہ صورت بڑی تشویش انگیز بلکہ خطرناک ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ نظم و نسق کی خرابیوں کی وجوہات متعدد ہیں لیکن ان میں ایک وجہ ایسی ہے جو بالکل بیّن ہے اور وہ یہ کہ ہمارے اربابِ اقتدار کو اس کا علم و احساس ہی نہیں ہوتا کہ عوام کن مشکلات سے دوچار ہیں اور ان کی زندگی کس طرح اجیرن ہو رہی ہے۔ مثلاً" ہمارے وزیر خوراک کو کبھی اس کا پتہ ہی نہیں چل سکتا کہ ملک کے عوام کو کھانے پینے کی اشیاء حاصل کرنے میں کس قدر دشواری پیش آتی ہے اور یہ چیزیں انہیں کس قدر گراں نرخوں پر مل رہی ہیں اور جو کچھ ملتا ہے، اس میں اصلی کتنا ہوتا ہے اور ملاوٹ کتنی۔ یہ اس لئے کہ وزیر صاحب کے اپنے مکان میں ہر شے صاف ستھری، نکھری، اُجلی، خالص بالعموم بلا دام اور اگر وہ صاحب بڑے دیانتدار ہیں تو کنٹرول ریٹ پر یا واجبی بھاؤ سے بلا کسی قسم کی دقت و دشواری کے پہنچتی رہتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ملک میں ہر شخص کو یہ کچھ اسی طرح اور انہی داموں میسر آرہا ہے۔

یا مثلاً" ہمارے ہاں کے شعبۂ مالیات کے وزیر صاحب کو اس کا علم ہو ہی نہیں سکتا کہ اگر ایک آدمی نے حکومت کے خزانے سے کچھ لینا تو ایک طرف، اس میں کچھ روپیہ داخل کرنا ہو تو اس کے لئے کون کون سے مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔ اس میں کتنا وقت صرف ہوتا ہے۔ کتنی توانائی ضائع ہوتی ہے اور بسااُوقات کتنی ذلتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ اس لئے کہ ان کے اس قسم کے کام از خود ہو جاتے ہیں۔ اول تو ان کا ماتحت عملہ خود ہی سب کچھ کر دیتا ہے اور اگر کہیں کوئی بوجھل پتھر راستے میں حائل ہو جائے تو ایک ٹیلی فون اسے اپنی جگہ سے ہٹا دیتا ہے۔

یا مثلاً" ہمارے وزیر قانون صاحب کو اس کا کیا عملی تجربہ ہو سکتا ہے کہ کچہریوں میں لوگوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ ہمارے وزیر داخلہ صاحب کو کس طرح پتہ چل سکتا ہے کہ ایک پرامن شہری کے ساتھ تھانے میں کیا سلوک ہوتا ہے اور ہمارے وزیر مواصلات کیا جانیں کہ بسوں اور ویگنوں میں سفر کرنے والوں کی کیا درگت بنتی ہے۔

عوام کی حالت سے باخبر رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ان حضرات کا عوام کے ساتھ ربط

رہے وہ اپنے آپ کو عوام میں سے ایک اور عوام انہیں اپنے میں سے ایک سمجھیں لیکن اس قسم کا ربط تو ایک طرف' ان میں اور عوام میں اس قدر بعد اور بیگانگی ہوتی ہے کہ عوام کی کوئی بات ان کے گوشِ مبارک تک پہنچ ہی نہیں پاتی- ان میں سے جو صاحب کبھی اپنی مسند سے نیچے اترتے ہیں یا اُتار دیئے جاتے ہیں تو انہیں عوام کے دکھ یاد آتے ہیں- لیکن بجائے اس کے وہ عوام کا ساتھ دیں وہ عوام کے دکھوں کو بنیاد بنا کر' مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہوئے پھر اس کوشش میں لگ جاتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح کھویا ہوا اقتدار پھر سے حاصل کر لیں اور اقتدار حاصل ہوتے ہی نہ صرف یہ کہ وہ عوام کی مشکلات سے لاتعلق ہو جاتے ہیں بلکہ ہر شکایت کے جواب میں اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ لوگ نظم و نسق کی خرابیاں بیان کرنے میں یونہی مبالغے سے کام لیتے ہیں- ان سے کوئی پوچھے-

تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ می دانی
تپیدن دلِ مرغانِ رشتہ بر پارا !

اور اس کا علاج :

علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

اسی کتاب عظیم کے در پر دستک دینا اور اسی سے حل طلب کرنا جس کا دعویٰ ہے کہ اس میں **شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ** (10/57) یعنی ہر اس کشمکش کا علاج ہے جو ان کے قلوب و اذہان کو وقفِ اضطراب رکھتی ہے- پاکستان میں برسراقتدار آنے والی کوئی بھی حکومت' کوئی بھی اور رستہ اختیار کر لے' (اور کر کیا لے' پچھلے پچاس برس سے ہم یہی کچھ تو کر رہے ہیں) اسے کبھی بھی عوام کی مشکلات و مصائب حل کرنے میں کامیابی و کامرانی حاصل نہیں ہو سکتی- آخرکار اسے قرآنِ کریم کے آستانۂ عالیہ پر سرنگوں ہونا ہی پڑے گا کیونکہ اس کے نازل کرنے والے ربّ العالمین نے کہہ رکھا ہے کہ **ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ** (9/33) "اللہ وہ ہے جس نے اپنا رسول' ضابطۂ ہدایت اور حق پر مبنی نظامِ حیات دے کر بھیجا ہی اس لئے کہ وہ اسے دنیا کے جملہ نظاموں پر غالب کر دے"-

سو اگر سب کا مالک کہتا ہے کہ انسانیت کی فلاح و کامیابی قرآن میں عطا کردہ نظامِ حیات کے نفاذ میں ہی ہے' تو کون ہے جو کسی اور نظام کو کامیابی سے چلانے کا دعویٰ کرنے کی جرأت کر سکے- ایسا کرنے کا انجام کل بھی ناکامی' نامرادی' ذلّت و رسوائی تھا' آج بھی یہی ہے اور کل بھی یہی ہوگا- **فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ** (59/2) قرآن کا معاشی نظام کیا ہے اور اسے کس طرح نافذ کیا جا سکتا ہے اس کے لئے ہم ان تمام ارباب کو طلوع اسلام ٹرسٹ کی طرف سے شائع کردہ کتاب "نظام ربوبیت" کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں

● ● ●

2- منافقت

دورِ حاضر کی میکیاولی سیاست کا طُرّۂ امتیاز منافقت ہے- جو فرد یا گروہ منافقت کو خوبصورتی سے نباہ سکتا ہے وہی سب سے زیادہ کامیاب ہے- ہمارے ہاں یہ منافقت اگرچہ زندگی کے تمام شعبوں پر چھائی ہوئی ہے لیکن ایک گوشہ ایسا ہے جہاں یہ اُبھر کر سامنے آجاتی ہے- آپ اپنے ہاں کے لیڈروں سے تنہائی میں ملئے- آپ دیکھیں گے کہ وہ ملّا کو گالیاں دیں گے- ان کا موضوعِ سخن ہی یہ ہوگا کہ اس طبقہ نے قوم کو تباہ و برباد کر دیا ہے' یہ ہمیں ہزار سال پیچھے لے جانا چاہتے ہیں ' ان کی ہر بات میں دقیانوسیت اور ہر تجویز میں رجعت پسندانہ مسلک جھلک رہا ہوتا ہے- یہ بہروپئے طرح طرح کے بھیس بدل کر جُلاہ کو اپنے دامِ فریب میں مبتلا رکھتے ہیں اور اس طرح اپنا اُلّو سیدھا کرتے رہتے ہیں- وغیرہ وغیرہ-

ہر خلوت میں ان کا انداز یہی ہوگا- لیکن یہ اپنے ہر اجتماع اور ہر تقریب میں انہی مولویوں کو دعوت دیں گے- آغاز تقریب کے لئے انہی سے تلاوتِ قرآنِ کریم کروائیں گے- ان سے گہری عقیدت مندی کا اظہار کریں گے- ان سے گھل مل کر باتیں ہوں گی جن میں کہا جائے گا کہ آپ کی پیشوائیت کے بغیر ہماری نجات ہی نہیں ہو سکتی-

دوسری طرف ان مولوی صاحبان کی یہ حالت کہ یہ اپنی مجلسوں میں ان لیڈروں کو گالیاں دیں گے' انہیں فاسق و فاجر قرار دیں گے' ان کے شراب کے پیالوں کو بڑھ بڑھ کر اُچھالیں گے اور ان کے رقص و سرود کی محفلوں کو عریاں کریں گے- لیکن ان کے اجتماعات میں ان سے گرمجوشی سے مصافحے کریں گے- ان کے پہلو میں بیٹھنے کی کوشش کریں گے اور کیمرے والے کی طرف اس زاویئے سے کھڑے ہوں گے جس سے ہر تصویر دیکھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ یہ کون بزرگ ہیں جن سے صدر مملکت اس تپاک سے مل رہے ہیں اور وزیراعظم اس انہماک سے مصروفِ گفتگو ہیں- دونوں جانتے ہیں کہ یہ منافقت ہے لیکن دونوں قوم کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں- **وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ** (2/9) ---- یہ غیر شعوری طور پر خود اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں اور دل میں خوش ہوتے ہیں کہ اسے کوئی نہیں سمجھتا- حالانکہ جنہیں خدا نے آنکھیں دی ہیں انہیں صاف نظر آرہا ہوتا ہے کہ

دونوں کے دل میں چور ہے' بیٹھے ہیں سامنے
وہ دل لئے ہوئے' یہ تمنّا لئے ہوئے

انہیں قرآن کی زبان میں منافق کہا جاتا ہے اور منافقین کا انجام ! **اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ** ۚ (4/145) منافقین جہنّم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے- پس ہے کوئی جو اس انجام سے بچنے کی تدبیر کرے !

3- فتنۂ اِنکارِ حدیث

گذشتہ چالیس برس سے "فتنۂ انکارِ حدیث" کے الفاظ ملک کی فضا میں اس شدّت و کثرت سے گونج رہے ہیں کہ شاید ہی کوئی کان ایسا ہو جس میں یہ الفاظ پڑ نہ چکے ہوں- مذہبی حلقوں میں تو ایسا نظر آتا ہے گویا اِن حضرات کے سامنے اِس کے سوا کوئی اور کام ہی نہیں رہ گیا کہ اُٹھتے' بیٹھتے' سوتے جاگتے' اِن الفاظ کو دہراتے چلے جائیں- کیا آپ نے کبھی اس پر سنجیدگی سے غور فرمایا ہے کہ بالآخر یہ فتنہ ہے کیا؟ چونکہ اس فتنہ کے طعن کا ہدف اولیں طلوعِ اسلام ہے اس لئے ہم نے قریب قریب ہر اس تحریر کو پڑھا ہے جو اس باب میں گذشتہ چالیس برس میں صفحۂ قرطاس پر آئی ہے- اس لئے پڑھا ہے کہ ہم جاننا چاہتے تھے کہ وہ کونسا جرم ہے جس کا مرتکب طلوعِ اسلام ہو رہا ہے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ فی الواقعہ جرم ہے تو ہم اس سے خدا کے حضور تائب ہو کر اپنی اصلاح کر لیں- لیکن ہم بغیر کسی قسم کی مناظرانہ جنبہ داری کے نہایت دیانتداری سے عرض کرتے ہیں کہ آج تک کوئی ایسا مضمون ہماری نظر سے نہیں گذرا جس میں متانت اور سنجیدگی سے' دین اور علمی نقطۂ نظر سے یہ بتایا گیا ہو کہ "فتنۂ انکارِ حدیث" ہے کیا اور طلوعِ اسلام کا وہ کونسا جرم ہے جس کی پاداش میں اسے اس طرح موردِ طعن و تشنیع بنایا جا رہا ہے؟ اگر آپ ہمارے اس قول کو باور نہ کریں تو ہم آپ سے گذارش کریں گے کہ آپ ہی ہمارے لئے کسی ایسے مقالہ کی نشاندھی کر دیجئے جس میں اس موضوع پر علمی اور دینی حیثیت سے گفتگو کی گئی ہو- ایسا کرتے وقت ذیل کی تصریحات کو اپنے پیش نظر رکھئے-

انکارِ حدیث کے متعلق کہا یہ جاتا ہے کہ اس کا مطلب ہے "انکارِ حجیّتِ حدیث" لیکن یہ تو صرف دو لفظوں کی جگہ تین لفظوں کا استعمال ہے- بات تو اس سے بھی واضح نہیں ہوتی- جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں' حجّت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب کسی مختلف فیہ مسئلہ میں اس قول کو پیش کر دیا جائے تو اسے قولِ فیصل مان لیا جائے اور اس پر کسی قسم کی تنقید جائز نہ سمجھی جائے- مثلاً" جب یہ سوال زیرِ غور ہو کہ اسلام میں لحمِ خنزیر کا کھا لینا جائز ہے یا نہیں' اور کوئی شخص یہ کہہ دے کہ قرآن میں ہے کہ **حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ** (تم پر مردار' خون اور سؤر کا گوشت حرام کیا گیا ہے) تو یہ آیت مسئلہ زیرِ نظر کے فیصلہ کے لئے قولِ فیصل کا حکم رکھے گی اور اس پر کسی تنقید کی گنجائش نہیں رہے گی- اسے دین میں حجّت کہتے ہیں- قرآن کی ہر آیت' ہر مسلمان کے لئے حجّتِ دینی ہے- جو مسلمان ان میں سے کسی ایک آیت کو بھی حجّت نہیں مانتا وہ "منکرِ قرآن" ہے- اور اس کا مسلک "فتنۂ انکارِ قرآن"!

سوال یہ ہے کہ آج تمام روئے زمین پر کوئی مسلمان ایسا ہے' یا گذشتہ تیرہ سو سال میں کوئی مسلمان ایسا گذرا ہے جو ہر حدیث کو اسی طرح دین میں حجّت مانتا ہو؟ حدیث کے معنی ہیں قولِ منسوب الی

الرّسول یعنی ایسی بات جسے رسولؐ اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہو۔ احادیث کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔

پہنچتی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کیا "فتنۂ انکارِ حدیث" کے داعیوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا ہے جو ان لاکھوں احادیث میں سے ہر حدیث کو دین میں حجّت مانتا ہو' جس طرح وہ قرآن کی ہزاروں آیتوں میں سے ہر آیت کو حجّت مانتا ہے؟ مثلاً" اہلِ شیعہ کے ہاں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت علیؓ کو اپنا وصی اور جانشین مقرر فرمایا تھا۔ سنیوں میں سے کوئی شخص بھی اس حدیث کو مسئلۂ خلافت میں حجّت نہیں مانتا۔ یا سنّیوں کے ہاں حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میرے ترکہ کا وارث کوئی نہیں۔ لیکن شیعوں میں سے کوئی بھی اس حدیث کو باغِ فدک کے معاملہ میں حجّت نہیں مانتا۔ اسی طرح خود سنّیوں کے مختلف فرقوں کا حال ہے۔ رفع یدین کے مسئلہ میں حنفی جس حدیث کو حجّت مانتے ہیں' اہلِ حدیث اسے حُجّت نہیں مانتے اور جس حدیث کو اہلِ حدیث حُجّت قرار دیتے ہیں' حنفی اسے حُجّت نہیں سمجھتے۔ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کا الگ الگ وجود اسی بنیاد پر قائم ہے کہ جو احادیث ایک کے ہاں حجّت ہیں وہ دوسروں کے ہاں حجّت نہیں۔ لہٰذا (جیساکہ اُوپر کہا گیا ہے) یہ حقیقت واضح ہے کہ اس تیرہ سو برس میں کوئی مسلمان ایسا نہیں گزرا اور نہ ہی آج کوئی مسلمان ایسا ہے جو لاکھوں احادیث میں سے ہر حدیث کو حجّتِ دینی سمجھتا ہو۔

کہا یہ جاتا ہے کہ ہر حدیث کو حجّت دینی سمجھنے کا مطالبہ نہیں۔ صرف صحیح احادیث کو حجّت سمجھنے کا مطالبہ ہے۔ جو صحیح حدیث کو حجّت نہیں سمجھتا وہ منکرِ حدیث ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ صحیح حدیث کسے کہتے ہیں؟ شیعہ حضرات اپنی احادیث کو صحیح قرار دیتے ہیں لیکن سنّیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کسی حدیث کے سلسلۂ روایت میں ایک شیعہ راوی بھی آجائے تو وہ حدیث صحیح نہیں قرار دی جاسکتی۔ یعنی سُنّی' شیعہ حضرات کی صحیح احادیث کو حجّت نہیں مانتے' لیکن اس کے باوجود وہ منکرِ حدیث قرار نہیں پاتے۔ اسی طرح سنّیوں کی صحیح احادیث کو شیعہ حجّتِ دینی نہیں مانتے لیکن سُنّیوں کے نزدیک وہ بھی منکرِ حدیث نہیں قرار دیئے جاتے۔ خود سنّیوں کے ہاں یہ کیفیت ہے کہ جن احادیث کو غیر مقلّد حضرات صحیح قرار دیتے ہیں' انہیں مقلّد حجت نہیں مانتے۔ لیکن انہیں بھی کوئی منکرِ حدیث نہیں کہتا۔

سُنّیوں کے ہاں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ بخاری شریف ایک ایسی کتاب ہے جس کی ہر حدیث صحیح ہے۔ لیکن سُنّیوں میں وہ حضرات موجود ہیں جو بخاری کی ہر حدیث کو بھی حجّت دینی نہیں مانتے۔ لیکن اس کے باوجود وہ بھی منکرِ حدیث قرار نہیں پاتے۔

یہ وہ حقائق ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ ان کی روشنی میں یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ ہر فرقہ' بلکہ ہر فرد' صرف ان احادیث کو حُجّتِ شرعی سمجھتا ہے جنہیں وہ اپنے خیال میں صحیح خیال کرتا ہے' جنہیں وہ صحیح نہیں سمجھتا' انہیں وہ حُجّت نہیں مانتا اور اُس کے اِس انکار سے اُسے

منکرِ حدیث قرار نہیں دیا جاتا۔ مثلاً" سو احادیث کے مجموعہ میں سے ایک شخص پہلی پچاس کو صحیح نہیں سمجھتا۔ اسے آپ منکرِ حدیث قرار نہیں دیں گے۔ دوسرا شخص آخری پچاس کو صحیح نہیں سمجھتا اسے بھی آپ منکرِ حدیث قرار نہیں دیں گے۔ اب اگر ایک تیسرا شخص ایسا ہو جو یہ کہے کہ مجھے تو ان سو احادیث میں سے ایک بھی صحیح معلوم نہیں ہوتی' تو کیا اسے منکرِ حدیث قرار دیا جائے گا؟ اگر اسے ایسا قرار دیا جائے گا تو کیوں؟ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شخص فلاں مجموعہ احادیث کو صحیح نہیں سمجھتا (جیسے شیعہ حضرات' سنیوں کی احادیث کو صحیح نہیں مانتے)۔

ممکن ہے یہ کہہ دیا جائے کہ اگر کسی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں حدیث فی الواقعہ رسولؐ اللہ کی ہے' تو جو شخص اسے دینی حجت نہ سمجھے' اسے منکرِ حدیث کہا جائے گا۔ اس سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ثابت کس طرح کیا جا سکے گا کہ فلاں حدیث فی الواقعہ رسولؐ اللہ کی ہے۔ آپ کہہ دیں گے کہ اس کے لئے ائمہ حدیث نے اس کے اصول مقرر کر رکھے ہیں۔ لیکن انہی اصولوں کے مطابق تو شیعہ حضرات' سُنّیوں کی احادیث کو ردّ کرتے ہیں اور سُنّی حضرات' شیعوں کی احادیث کو۔ ممکن ہے کہ کہہ دیا جائے کہ سُنّیوں کے اصول الگ ہیں اور شیعوں کے الگ۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ احادیث کے پرکھنے کے الگ الگ اصول بنا لینے سے بھی کوئی فرقہ (یا کوئی شخص) منکرِ حدیث قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ اصول انسان ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن اس سے بھی آگے بڑھئے۔ مقلّد اور غیر مقلّد حضرات کے ہاں تو احادیث کے پرکھنے کے اصول ایک ہی ہیں' لیکن اس کے باوجود' ان کے ہاں بھی احادیث کے صحیح قرار دیئے جانے میں اختلاف ہے۔ لہٰذا یہ بھی غلط ہے کہ احادیث کے پرکھنے کے جو اصول مروّج ہیں ان کی رُو سے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ فلاں قول فی الواقعہ رسولؐ اللہ کی حدیث ہے؟ اگر یہ ثابت کیا جا سکتا تو جو لوگ ان اصولوں کو مانتے ہیں کم از کم ان کے ہاں تو اس باب میں اختلاف نہ ہوتا کہ فلاں حدیث صحیح ہے یا نہیں۔ انہی اصولوں کے مطابق بخاری شریف' احادیث کی صحیح ترین کتاب قرار پائی تھی۔ لیکن اس کے متعلق بھی یہ کہا جا رہا ہے کہ اس کی ہر حدیث صحیح نہیں۔ اور ایسا کہنے والوں کو منکرِ حدیث نہیں کہا جاتا۔

یہ وہ سوالات ہیں جو "انکارِ حدیث" کے سلسلہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ جماعتِ اسلامی سے تو ہمارا تخاطب نہیں۔ اس لئے کہ وہ ہمارے نزدیک ایک سیاسی جماعت ہے جو اپنے مقصد کے حصول کے لئے جائز و ناجائز ہر حربہ کا استعمال عین ثواب سمجھتی ہے (ہم یہ الفاظ پوری ذمہ داری سے لکھ رہے ہیں) لیکن باقی حضرات سے' جنہیں دین کا علم' تقویٰ اور دیانت نصیب ہے' ہم باادب اور بزور گذارش کریں گے کہ وہ خالص علمی اور دینی حیثیت سے ان سوالات پر غور فرمائیں اور کسی قسم کی بحث میں اُلجھے بغیر ہمیں بتائیں کہ منکرِ حدیث کسے کہتے ہیں' کونسی حدیث دین میں حجت قرار دی جاسکتی ہے اور اسے ایسا قرار دینے کی دلیل اور سند کیا ہے۔ اس کے لئے وہ اصطلاحات کے استعمال پر اکتفا نہ کریں بلکہ اس انداز سے ہم نے

سوالات پیش کئے ہیں اسی انداز سے عملی مثالوں سے اپنے خیال کی وضاحت فرمائیں۔ اگر ان کی تکلیف فرمائی سے یہ اہم سوال صاف' اور طلوع اسلام پر اس کی غلطی واضح ہو جائے۔ تو اس کے لئے وہ ہمارے نزدیک مشکور اور خدا کے ہاں ماجور ہوں گے۔

اظہارِ تشکر

ذمہ داریوں کا گراں بار بوجھ ہو، بیماری ہو یا حادثات۔ کارکنانِ تحریکِ طلوع اسلام نے ماضی قریب میں جس ایثار، محبت اور بروقت دستگیری کا ثبوت دیا ہے، وہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ان میں وہ نفسیاتی تبدیلی تیزی سے پیدا ہو رہی ہے جو قرآن پر ایمان رکھنے کا لازمی نتیجہ ہے۔

راقم کی بیماری کے دوران احباب نے خلوص، محبت اور تیمارپرسی کا جس طرح حق ادا کیا اس سے متاثر ہو کر میرا معالج بھی پکار اٹھا کہ جس مریض کے اتنے پُرخلوص پرسانِ حال ہوں انجائنا اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔

الحمد للہ میں اب روبصحت ہوں اور ان تمام حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہوں جو دورانِ علالت مجھے اپنی نیک خواہشات سے نوازتے رہے۔

آپ کا

شریف چوہدری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علی محمد چدھڑ (گوجرانوالہ)

قائداعظمؒ کا پاکستان

بحوالہ "پاکستان اور فرقہ واریت" مطبوعہ شمارہ جون 1996ء

گذشتہ ماہ (جون 1996ء) بزمِ طلوعِ اسلام کویت کی ایک علمی نشست میں سفیرِ پاکستان جناب کرامت اللہ خاں غوری نے "پاکستان اور فرقہ واریت" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ جس کا مکمل متن قارئین کے استفادہ کے لئے طلوع اسلام بابت جون 1996ء میں شائع ہو گیا۔ میں طلوع اسلام کے ایک قاری کی حیثیت سے سفیرِ محترم کے اس خطاب پر کچھ اظہار خیال کے لئے ادارہ سے دلی معذرت کے ساتھ اجازت کا خواستگار ہوں۔ اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو سفیرِ محترم کے سارے خطاب کا محور قائداعظمؒ کی وہ تقریر ہے جو انہوں نے 11 اگست 1947ء کو پاکستان کی پہلی مجلس آئین ساز کو مخاطب کرتے ہوئے کی تھی۔ اور جس کا ایک اقتباس بہ حروف انگلش رسالہ کے صفحہ 48 پر درج ہے۔ تقریر کو ہر جگہ خطبہ کے الفاظ سے موسوم کرتے ہوئے اسے حضور نبی کریمؐ کے آخری خطبہ حجۃ الوداع سے بھی تشبیہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ "قائداعظمؒ کے اس خطبے کو مشعل راہ بنا کر میں آج کے موضوع پر آپ سے (قارئین طلوع اسلام سے) گفتگو کرنا چاہتا ہوں" اس سے شاید وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دو قومی نظریہ قائداعظمؒ کا ایک خودساختہ وکیلانہ حربہ تھا۔ پاکستان حاصل کرنے کے فوراً بعد اسے خیر باد کہہ دیا اور اس طرح پاکستان بھی ہندوستان کی طرح ایک سیکولر ملک بن گیا۔

قارئین محترم! جیساکہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ سفیر موصوف کا اصل موضوع 11 اگست کی تقریر ہے۔ جسے "پاکستان اور فرقہ واریت" کا عنوان دیا گیا ہے۔ اگر قائداعظمؒ کی اس تقریر کو سامنے رکھا جائے تو سارے خطاب کا متن خودبخود سامنے آجاتا ہے۔ اور یہ راز بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ سفیرِ محترم "اسلام اور فرقہ واریت" سے گریز کی راہیں نکال کر "پاکستان اور فرقہ واریت" پر کیوں زور دیتے رہے۔ دانشوروں کا قول ہے کہ جب انسان کا اپنا نقطۂ نظر بدل جائے تو ہر اصطلاح کا تصور بھی بدل جاتا ہے۔ مثلاً" اس مقالہ میں "نظریۂ پاکستان" کا وہ مفہوم نہ رہا جو علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ نے اخذ کیا تھا۔ دین مذہب کی شکل اختیار کر گیا۔ ملتِ اسلامیہ کی جگہ ملتِ پاکستانیہ پیدا ہو گئی۔ اسلام میں قوموں اور اوطان کا تعلق پھر سے قائم ہو گیا۔ قیامِ پاکستان کا مقصد "اسلام کی تجربہ گاہ" نہ رہا۔ کلمہ گوؤں کے لئے انگریزوں اور ہندوؤں سے آزادی قرار پا گیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ پہلا موقع نہیں کہ قائداعظمؒ کی اس تقریر کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہو۔ اس سے پہلے بھی کئی طالع آزما تقدیر کے سیاق و سباق کو نظر انداز کرتے ہوئے اسی پیرائے میں تحریر و تقدیر کے جوہر دکھا چکے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ایسے حضرات ایک طرف تو

قائداعظمؒ سے عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے ان کے مشن اور نصب العین کے علمبردار بنتے ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی نہیں دیکھتے کہ جو کچھ ہم (بزعم خویش) اس تقریر سے اخذ کرنا چاہتے ہیں' اس کا اثر بانیٔ پاکستان کے کردار پر کیا پڑے گا اور پھر اخبار و رسائل کے ذریعہ ہر دفعہ حقیقتِ حال کی وضاحت کے باوجود یہ سلسلہ مخصوص مقاصد کے لئے جاری ہے۔ جناب کرامت اللہ خاں غوری کویت میں مملکت خداداد کے سفیر کے عہدہ پر فائز ہیں۔ اس لحاظ سے ان کے مذکورہ خطاب کو سرکاری حیثیت بھی مل جاتی ہے گو انہوں نے اپنی شمولیت کو اپنی ذاتی حیثیت سے وابستہ کیا ہے۔ لیکن ان کی ذاتی حیثیت سے بھی تو خطاب کا موقع انہیں سفیرِ پاکستان ہونے کی وجہ سے ہی میسر آیا۔ اور یہ پہلا موقع ہے کہ حکومت کے اتنے بڑے عہدے دار اور نمائندے نے قائداعظمؒ کی 11ر اگست کی تقریر پر اس انداز سے طبع آزمائی کی ہو' حیرت کا مقام یہ ہے کہ اس کے لئے انہوں نے طلوع اسلام کا پلیٹ فارم استعمال کیا ہے۔ اس لحاظ سے ان کی یہ ہمت واقعی قابل تحسین ہے۔ خیر یہ تو ایک ضمناً" بات سامنے آگئی تھی۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ 11ر اگست کی جس تقریر کو ملک میں سیکولرزم کے جواز کے لئے چنا گیا ہے اس سے کچھ ہی پہلے اور فوری بعد کے متعدد بیانات بھی ریکارڈ پر موجود ہیں۔ کسی ایک کا حوالہ یا اقتباس دینا کیوں مناسب نہ سمجھا گیا اور پھر ایسی تقاریر کوئی ایک دو بھی نہیں۔ کئی کتابیں مرتب ہو سکتی ہیں۔ اس بناء پر تحریک پاکستان کی تاریخ کے حوالہ سے پوری دیانتداری سے کہا جاسکتا ہے کہ سفیر محترم نے دیدہ دانستہ ایسا نہیں کیا اور یوں تعصب کا شکار ہو کر اپنے فاضلانہ خطاب سے انصاف کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ قائداعظمؒ جیسی عظیم ہستی جو پورے دس برس تک دو قومی نظریہ کے لئے تمام دنیا کے خلاف نبرد آزما رہی ہو' کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اس نے 11ر اگست کو صرف چند لمحات کی تقریر سے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا' ناممکن سی باتی ہے۔ چلو کچھ وقت کے لئے ہم سفیرِ محترم کی تائید میں یہ فرض کر لیتے ہیں کہ انسان میں بعض اوقات اچانک اور حیران کن انقلاب بھی آسکتا ہے۔ لیکن وہ صرف اور صرف اس صورت میں کہ اس کے بعد قائداعظمؒ صرف سیکولرازم کی تبلیغ کرتے رہے ہوں۔ لیکن ایسا بھی نہیں۔ 11ر اگست کے بعد وہ تقریباً" ایک سال زندہ رہے۔ سیکولر نظامِ حکومت یا اس سے کوئی ملتا جلتا ایک لفظ بھی انہوں نے زبان سے نہیں نکالا۔ بلکہ اس کے برعکس ان کی قوم وہی پیغام سنتی رہی جو اس کا قائد پچھلے دس برس سے اسے دیتا رہا تھا۔

یہ ملک و ملت کی بدقسمتی ہے کہ ہم قائداعظمؒ کی 11ر اگست کے خطاب کو اپنی مرضی کا مفہوم دے کر دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ دو قومی نظریہ اور اسلام کے متعلق پورے دس سال تک مسلمانوں سے جو کچھ وہ کہتے رہے' سب حیلہ سازی تھی۔ جونہی پاکستان کا فیصلہ ہوا۔ ایک تقریر کر کے اپنی ساری اصول پرستی پر پانی پھیر دیا۔ ساری عمر حق گوئی و بے باکی جس کے کیریکٹر کی خصوصیت رہی ہو' وہ راتوں رات ایسی دوغلی روش کیسے اختیار کر سکتا تھا۔

جیساکہ طلوع اسلام صفحہ 50 کے فٹ نوٹ سے ظاہر ہے۔ جناب محمد دراز صاحب نے اپنے مضمون "مخلوط انتخاب اور پاکستان" میں تفصیلی

وضاحت پیش کر کے سارے جھوٹ کا پول کھول دیا ہے اور اب مذکورہ تقریر پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے بھی اس سلسلہ میں جس رائے کا اظہار کیا ہے' بہتر ہے کہ وہ بھی یہاں پیش کر دی جائے۔ فرماتے ہیں "پھر ہمارے لئے یہ ماننا بھی ممکن نہیں ہے کہ قائداعظمؒ ایسی متضاد باتیں کر سکتے تھے۔ کہ 11 اگست کو ایک اعلان کریں اور پھر اس کے بعد بار بار اس کے بالکل خلاف باتوں کا مسلمان پبلک کو یقین دلاتے رہیں۔ اس لئے ہمارے نزدیک ان کی مذکورہ بالا تقریر کو ان کے اگلے اور پچھلے ارشاد کی روشنی میں سمجھنا زیادہ بہتر ہے۔ یہ نسبت اس کے کہ ہم اس کا کوئی اپنا مفہوم لیں جو ان کی تمام باتوں کے خلاف پڑتا ہے۔ جو انہوں نے اس سے پہلے فرمائیں اور اس کے بعد بھی فرماتے رہے"۔

"تھوڑا آگے چل کر مولانا صاحب فرماتے ہیں"۔

"اب کیا ہم یہ باور کر لیں کہ 11 اگست کو یک لخت وہ تمام خصوصیتیں مٹ گئیں جو مسلمانوں کو غیر مسلمانوں سے جدا کر کے ایک الگ قوم بناتی تھیں اور یکایک ایک نئی قوم کے اسباب فراہم ہو گئے۔ جس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا جذب ہونا ممکن ہو گیا تھا۔ اگر ہم اس بات کو مان لیں تو قائداعظمؒ کو اس الزام سے بچایا نہیں جاسکتا کہ وہ ایک بااصول آدمی نہ تھے۔ بلکہ محض سیاسی مصلحتوں کی خاطر اصول بناتے اور بدلتے رہتے تھے۔ مرحوم کی وفات کے پانچ سال بعد ان کی روح کو ایسے الزامات کا تحفہ پیش کرنے کے لئے میں تو کسی طرح تیار نہیں ہو سکتا" (بحوالہ ایشیاء 13 ستمبر 1970ء)

مضمون کی طوالت کے پیش نظر دل تو نہیں چاہتا کہ دو قومی نظریہ پر مزید کچھ کہا جائے۔ لیکن ہمارے نیشنلسٹ حضرات جب فرماتے ہیں کہ یہ نظریہ قائدینِ تحریک پاکستان کا خود ساختہ تھا تو بڑی کوفت ہوتی ہے۔ بات یہ نہیں۔ دو قومی نظریہ ایک مستقل قدر کا نام ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "خدا وہ ہے جس نے انسانوں کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے کچھ کافر ہو گئے اور کچھ مومن بن گئے" 64/2

۔ لہٰذا مسلم اور غیر مسلم کی تقسیم ہی اسلام کی رُو سے دو قومی نظریہ قرار پائی اور یہ وہ حقیقت ہے جسے متحدہ قومیت کبھی بھی گرد آلود نہیں کر سکتی۔ وطن کے اشتراک کی بناء پر قومیت کا نظریہ خلاف اسلام ہے۔ اسی طرح اسلام کی رُو سے معیارِ قومیت ایمان کا اشتراک ہے۔ اور یہ وہ قرآنی اصول ہے جسے بدلا نہیں جا سکتا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ "روز قیامت حضور نبی اکرمؐ بارگاہِ خداوندی میں فریاد کریں گے کہ بارالٰہا! یہ ہے میری وہ قوم جس نے تیرے قرآن کو مہجور بنا کر رکھ دیا تھا (25/30) یہاں صریحاً" قوم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضورؐ کا اشارہ صرف اپنے ملک عرب کی طرف تھا' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان پر ایمان لانے والا ہر شخص ان کی قوم میں شامل ہے۔ خواہ اس کا تعلق دنیا کے کسی خطہ سے ہو۔ حضور کی حیاتِ مطہرہ ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ جب وحی کی تکمیل ہو گئی' اور نبی اکرمؐ کے ہاتھوں قوم کی تشکیل ہوئی تو اس معیارِ قومیت کو دیکھ کر دنیا دنگ رہ گئی جس کی رُو سے حبش کا بلالؓ، فارس کا سلمانؓ، روم کا صہیبؓ، محمدؐ عربی کی اپنی قوم کے افراد تھے اور مکہ کا ابوجہل اور حقیقی چچا ابولہب غیر قوم کے

افراد- یہی قرآنی معیار قومیت تھا- جس نے حضرت نوحؑ کے بیٹے کو قومِ نوحؑ_ حضرت ابراہیمؑ کے والد کو قومِ ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کی بیوی کو قومِ لوطؑ سے خارج کر دیا- حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایا کہ ''عہدِ جاہلیہ کے تمام باطل نظریات میرے پاؤں تلے ہیں، تم سب ایک امت ہو- تمہارا رب ایک ہے- اصل کے اعتبار سے تم سب ایک ہو- اس لئے کالے کو گورے پر یا گورے کو کالے پر- عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کسی قسم کی کوئی فضیلت نہیں' بجز تقویٰ کے''- اس خطبہ میں نبیٔ اکرمؐ نے اپنی اُمّت سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں معیارِ قومیت صرف ایمان کا اشتراک ہے- وہ خواہ کسی خطۂ زمین سے تعلق رکھتے ہوں' کوئی زبان بولتے ہوں' کسی نسل سے متعلق ہوں، ایک ہی قوم کے افراد ہیں- اس طرح حضورؐ نے اس قرآنی معیار پر قوم کی تشکیل کر کے دو قومی نظریہ کو عملی طور پر سچ کر دکھایا- نہ کسی قسم کا شبہ رہا نہ کوئی ابہام- بات نکھر کر سامنے آگئی- دلچسپ بات یہ ہے کہ سفیرِ موصوف نے بھی زیرِ بحث خطاب میں اپنے نظریہ کے حق میں دلیل کے طور پر اسی خطبہ کا حوالہ دیا ہے- اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حوالہ سے صاحب خطاب کے مسلک کی تردید ہوتی ہے یا تائید- اس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں-

جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے' اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ پاکستان دنیا کے انتہائی پسماندہ ممالک میں شمار ہوتا ہے- اس کے عام اسباب سے تو ہم سب واقف ہیں- لیکن ایک خاص وجہ جو صاحبِ خطاب نے بیان کی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں ''اس کی صرف اور صرف ایک وجہ ہے کہ ہم نے پاکستان بننے کے بعد پاکستان میں علم کے حصول اور تعلیم کے پھیلاؤ پر وہ زور نہیں دیا' جس کا یہ متقاضی تھا- ہم نے اس کی بجائے پاکستانیوں کو مختلف گروہوں میں بانٹنے کے لئے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ نظریۂ پاکستان کی وہ شرح بیان کرنا شروع کی جو پاکستان کو بنانے والے کے ذہن میں نہیں تھی'' اس سے تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ '' بہت غور کرنے والی بات ہے- بہت نازک ہے جس کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان اس لئے نہیں بنا تھا کہ پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنایا جائے'' سفیر موصوف کی بات کچھ بے ربط سی معلوم ہوتی ہے- ذکر تو ہو رہا تھا علم کے حصول اور تعلیم کے پھیلاؤ کا- پتہ نہیں نظریۂ پاکستان پر کیسے غصہ آگیا- بقول میر مہدی مجروح-

غیروں کو بھلا سمجھے اور مجھکو برا جانا
سمجھے بھی تو کیا سمجھے جانا بھی تو کیا جانا

قرآن کہتا ہے : ''احکام خداوندی لوگوں تک پہنچانا اور ان کے مطابق ایک نظام قائم کرنا اب اُمّتِ محمدیہؐ کے سپرد ہے'' 33/41_ بظاہر اس میں کوئی آپشن نہیں- اگلی ہی آیت میں ارشاد ہوا ''اور ان کی عملی تنفیذ کے لئے سرگرداں رہو'' 33/42_ قرآن کریم کے مقاصد تب ہی پورے ہو سکتے ہیں جب اسے بطور ضابطۂ خداوندی عملاً نافذ کیا جائے- یہ حکمِ خداوندی ہے اور سنّتِ رسول بھی- حضور نبی اکرمؐ نے جب سب سے پہلی اسلامی مملکت قائم کی تو انہیں حکم ملا کہ ''تو ان میں کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم کر'' 5/48_ اور قائدِاعظمؒ کے سامنے بھی یہی مقصد اور یہی جذبہ محرکہ تھا جس کے ذریعہ اسلام کی گاڑی کو دوبارہ دین کے ٹریک پر لانے کے لئے وہ اُٹھے تھے- علامہ اقبالؒ کے بعد قائدِاعظمؒ ہی

دوسری اور سب سے بڑی شخصیت تھے۔ جنہوں نے اسلام کے نام پر برصغیر کی تقسیم کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ "پاکستان اسلامی اصولوں کی ایک عملی تجربہ گاہ ہوگی۔ جہاں ہم دنیا کو دکھا سکیں گے کہ اسلام آج بھی نافذالعمل ہو سکتا ہے"۔ (تاریخ نظریۂ پاکستان صفحہ 460 مرتبہ پیام شاہجہان پوری)

اب یہ ہمارے ذمہ داری ہے کہ اس مملکت کو اسلامی تجربہ گاہ بنا کر تمام ادیان عالم پر اسلام کی برتری ثابت کریں اور پاکستان کا اقتصادی نظام' اسلامی بنیادوں پر استوار کرکے ملک سے افلاس و غربت کو دور کریں۔ اگر ہم ایک ایسا نہیں کرتے تو یہ نظریۂ پاکستان کی خامی نہیں۔ ہمارا قصور ہے اور ہم اس کے لئے خداوندتعالیٰ اور آئندہ نسلوں کے سامنے جوابدہ ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے 1930ء کے خطبۂ صدارت کے مطابق بھی قیامِ پاکستان کا اصل مقصود یہ تھا "کہ اسلام کی روح کے مطابق عصر حاضر میں سیاسی' معاشی اور معاشرتی ادارے قائم کئے جائیں اور اسلام پر لگی ہوئی عرب امپیریلزم (ملوکیت) کی چھاپ کو مٹا دیا جائے۔ قائداعظمؒ نے اقبالؒ کے اس نظریہ پر پاکستان کو تھیاکریٹک کے بجائے ایک اسلامی اور جمہوری ملک بنانے کا اعلان کیا تھا"
(تحریک پاکستان صفحہ 751 بحوالہ خطبۂ صدارت علامہ اقبالؒ 1930ء)

لیکن ان تمام شواہد کے باوجود ہمارے سفیر محترم نظریۂ پاکستان کی وہی شرح قبول کرتے ہیں جو انہوں نے (بزعم خویش) 11 اگست کی تقریر سے خود اخذ کی ہے۔ جس کی رُو سے ہندوستان کی طرح پاکستان بھی ایک قومی یا وطنی مملکت قرار پاتا ہے۔ اور جس میں اس سے غرض نہیں ہوتی کہ افرادِ مملکت کا تصورِ زندگی کیا ہے اور نظریات و معتقدات کس قسم کے۔ یہ افراد کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔ ایسا تصور' پاکستان جیسے ملک کے خلاف جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اور اس کے بعد قائداعظمؒ نے پاکستان کو (قومی یا وطنی مملکت کے برعکس) ایک نظریاتی مملکت کہہ کر پکارا ہے۔ اسی سے نظریۂ پاکستان کی اصطلاح وجود میں آئی۔ ایسی مملکت جو میرے' آپکے یا ہندوستان میں بسنے والے افراد کی اکثریت کے' یا وہاں کی پوری کی پوری آبادی کے ذاتی خیالات یا مقاصد کے مطابق متشکل نہیں ہوگی بلکہ قرآنی اقدار کے فروغ اور برومندی کے لئے لائی جائے گی۔ تو جناب یہ ہے نظریۂ پاکستان کی اصل شرح جو مصور پاکستان اور بانیٔ پاکستان نے خود بیان فرمائی ہے اور جو تحریکِ پاکستان کی تاریخ کے ہر ورق پر کندہ ہو چکی ہے۔ جسے کھرچ کر ضائع کر دینا اب کسی کے بس کی بات نہیں رہی' اس کے باوجود اگر کوئی پوچھتا ہے کہ "اسلام اصل میں کیا چیز ہے اور پاکستانیوں کو کونسے اسلام پر عمل پیرا ہونا ہے"۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام اس نہج زندگی کا نام ہے جو قرآن کے مطابق بسر کی جائے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبالؒ نے کہا تھا۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

آپ یقین رکھیں اور یہ ہم سب کا ایمان ہے کہ جب بحیثیت قوم ہمیں ایسی زندگی نصیب ہوگئی تو پھر ہمارے تمام سیاسی' گروہی اور مذہبی اختلافات خود بخود مٹ جائیں گے۔ ملت اسلامیہ' اُمتِ واحدہ بن کر اُبھرے گی اور [illegible] کا نمونہ بن

جائے گی۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ جہاں معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

یہ امر باعث اطمینان ہے کہ ہمارے سفیر محترم نے اپنے خطاب میں تعلیم پر بہت زور دیا ہے۔ تاکہ لوگ ایک دوسرے کے نظریات کو سمجھ کر اپنے اختلافات کم کر سکیں۔ بے شک علم ایک بہت بڑی دولت ہے لیکن اگر صاحب موصوف سمجھتے ہیں کہ اس علم کی روشنی سے ہماری تمام تر سیاسی' گروہی اور مذہبی فرقہ واریت ختم ہو جائے گی۔ تو ان کا یہ خیال درست نہیں۔ یورپین ممالک جو تعلیمی میدان میں ساری دنیا کے راہنما بنے ہوئے ہیں فرقہ واریت کی ایسی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں کہ نکلنا محال ہے۔ مختلف عیسائی فرقے باہم دست و گریباں ہیں۔ نسلی اور قبائلی تعصب سے انسانیت کش اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ قومی اور وطنی برتری کے احساس سے دنیا دو عالمگیر جنگوں کا شکار ہو چکی ہے۔ ہم اپنے ملک کی بات کرتے ہیں' جہاں فرقہ واریت کا جن کنٹرول سے باہر ہو چکا ہے۔ قتل و غارت' دنگا فساد' روز کا معمول بنا ہوا ہے۔ کیا کیا جائے بقول اقبالؒ

علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

ارشاد ہوا کہ "ان اختلافات کے مٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر معاملہ کا فیصلہ خدا کے قانون (قرآن کریم) کی رُو سے کیا جائے" 42/10 (جو سب کے لئے حکم اور آخری سند ہے 4/59)۔ دوسری جگہ فرمایا (اے رسول) تجھ پر یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ جن امور میں یہ لوگ باہمی اختلاف کرتے ہیں تو ان کی وضاحت کر دے" 16/64۔ معلوم ہوا کہ فرقہ پرستی کا واحد علاج یہ ہے کہ اپنے تمام متنازعہ امور کے لئے قرآن کریم کی طرف رجوع کریں اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ اس ضابطۂ خداوندی کو عملاً" نافذ کیا جائے۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی علم کی روشنی اور تعلیم کے پھیلاؤ کی۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ جب تک انسان علم حاصل نہ کرے وہ انسانی زندگی گزار ہی نہیں سکتا' حیوانی سطح پر ہی رہتا ہے۔ جو قومیں زمانے کے تقاضوں کے مطابق علمی تحقیق کرتی ہیں اور پھر اس کے ذریعہ تسخیر کائنات کر کے ماحصل کو نظامِ خداوندی کے لئے وقف کر دیتی ہیں۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریوں کی حقدار ہو جاتی ہیں لیکن جو علم حاصل کر کے مادی فوائد تو حاصل کر لیتی ہیں۔ لیکن انہیں مستقل اقدار کے تحت انسانی بھلائی کے لئے کھلا نہیں رکھتیں۔ وہ دنیا کی زندگی میں تو قوت و شوکت حاصل کر لیتی ہیں' لیکن مستقبل ان کا تاریک ہو جاتا ہے۔ جناب سفیرِ موصوف نے کوریا کی مثال دی ہے۔ تعلیم کے ذریعہ اپنے مادی وسائل کی ترقی بہت بڑی کامیابی (Achivement) ہے۔ لیکن سب کچھ نہیں اصل چیز وہ نظام ہے جس کے لئے اس مادی ترقی کو مختص کیا گیا ہے۔ تعلیمی لحاظ سے روس کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ ایک سپر طاقت ہونے کی وجہ سے ساری دنیا اس سے خائف تھی۔ لیکن چونکہ نظام غلط تھا' لہٰذا سب کچھ انتشار کا شکار ہو گیا۔ قرآن اپنے مقام کو بہت اُبھار کر بیان کرتا ہے۔ فرمایا "مفہوم" (اور وہ کوئی ایسی ویسی قوم نہیں تھی)۔ جس قدر جاہ وہ جلال اور غلبہ و اقتدار انہیں حاصل تھا۔ ویسا تمہیں بھی حاصل نہیں۔ نیز وہ جاہل اور وحشی قوم بھی نہیں تھی' انہیں علم و دانش کے تمام ذرائع حاصل تھے۔ لیکن چونکہ ان پر مفاد پرستی کے جذبات

غالب تھے' جس کی وجہ سے وہ قوانینِ خداوندی کی مخالفت کرتے تھے' اس لئے ان کی عقل و دانش اور فہم و فراست ان کے کسی کام نہ آئے 45/23 اور جن نتائج کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ انہوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا" 46/26

قرآنِ کریم کی رُو سے کسی قوم کے عروج و زوال اور اس کی موت و حیات کا فیصلہ اس نظام کے مطابق ہوتا ہے جسے وہ قوم اپنے لئے اختیار کرتی ہے۔ اس ضمن میں قرآن نے جو بنیادی اصول دیا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ اسے یہاں اس کے اصل الفاظ میں پیش کر دیا جائے۔ اصول یہ ہے۔ **وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ** (13/17) وہی نظریۂ حیات' وہی اصولِ زندگی' وہی نظامِ معاشرہ دنیا میں باقی رہ سکتا ہے۔ جو تمام نوعِ انسان کے لئے نفع رساں ہو۔ یعنی ایک تو وہ نفع رساں اور منفعت بخش ہو اور دوسرے یہ کہ اس کی منفعت بخشی کسی خاص گروہ' خاص پارٹی' خاص ملک' خاص قوم تک محدود نہ ہو بلکہ وہ ساری انسانیت کے لئے نفع رساں ہو۔

یہ ہے۔ وہ عالمگیر اصول جس کی بنیادوں پر قرآن اپنا نظامِ زندگی استوار کرتا ہے اور یہی اصول قوموں کی زندگی کا حقیقی ضامن بن سکتا ہے۔

میرے ایک عزیز کو تبلیغی جماعت کے ایک بہت بڑے رہنما نے بتایا کہ میں نے پرویزؒ کو بیتیس سال تک پڑھا لیکن اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ مذہبی لحاظ سے ٹھیک شخص نہیں تھا۔ میں نے کہا کہ آپ اسے مذہبی کسوٹی پر نہ پرکھیں بلکہ دین کے ترازو پر تولیں تو رائی جتنا فرق بھی نہ پائیں گے۔ دوسرے یہ کہ پرویزؒ نے پینتیس سے زائد کتابیں لکھی ہیں۔ تبلیغی رہنما نے انہیں پینتیس سال تک پڑھا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس دوران مبلغ صاحب نے پرویزؒ صاحب کے کام سے جو کچھ اخذ کیا۔ اسے عامتہ المسلمین کے استفادہ کے لئے ضبط تحریر میں لے آتے۔ چلو پینتیس نہ سہی کم از کم دس سطریں ہی تحریر کر دیتے۔ لیکن انہوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ آخر کیوں؟ جواب نفی میں تھا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زبانی' کلامی' حکایتاً" یا روایتاً" تو پرویزؒ کے متعلق مولویوں نے بے شمار مفروضے مشہور کر رکھے ہیں لیکن جب کہا جائے کہ **هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** تو ادھر ادھر بلوں میں گھس جاتے ہیں۔ محترم سفیر صاحب کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ انہوں نے (اپنے دعوے کے مطابق) پرویزؒ کے فلسفے اور علمی اثاثے کو بڑے انہماک سے پڑھا ہے۔ اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ان کا اپنا وہی نظریہ درست ہے جو پرویزؒ کو پڑھنے سے پہلے تھا۔ دراصل کوئی دوسرے کا فلسفہ پڑھے یا نہ پڑھے۔ فرقہ پرستی کا ٹھپہ اور خمیر ہی کچھ ایسا ہے کہ اس میں ہر کوئی اپنے آپ کو سچا اور دوسروں کو جھوٹا خیال کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ "فرقوں میں بٹ جانے کے بعد حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر فرقہ اس خیال میں مگن رہتا ہے کہ میں حق پر ہوں باقی فرقے باطل ہیں" 30/32۔ خود فریبی کی اسی کیفیت سے نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ہمارے نام نہاد راسخ ایمان کی تجدید کا حکم دینا پڑا۔ چنانچہ ارشاد ہوا "اے مسلمانو! تم ایمان لاؤ۔ اللہ پر۔ اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جسے خدا نے اپنے رسول پر نازل کیا تھا"۔ (136/4)۔ یہ از سرِ نو ایمان لانا درحقیقت فرقہ وارانہ زندگی کو خلافِ اسلام تسلیم کر کے اسلامی نظام کے قیام کی طرف پیش رفت کے لئے قدم اٹھانا ہے۔

اسلام کے متعلق یہی پرویزؒ کا فلسفہ ہے۔ جس کے مطابق امت جب فرقوں میں بٹ جائے تو دین باقی نہیں رہتا۔ مذہب بن جاتا ہے۔ کتاب اللہ میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ یہ تمام اختلافات کتاب اللہ سے ہٹ کر پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان اختلافات کے مٹنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم کتاب اللہ کو دین کی بنیاد تسلیم کریں۔ جب تک یہ نہیں ہوگا۔ فرقے نہیں مٹ سکیں گے اور فرقے نہیں مٹیں گے تو ہم خود مٹ جائیں گے۔

یہ ہے پرویزؒ کا موقف اسلام' قرآن اور فرقہ بندی کے متعلق۔ ٹھیک ہے۔ لیکن ایسے شخص پر یہ الزام تراشی کہ اس نے بھی ایک نئے مذہبی فرقے کی بنیاد ڈالی ہے۔ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

فرقہ سازی کے متعلق تو علامہ صاحب اتنے محتاط تھے کہ انہوں نے ادارہ کے ملحق کسی کو مسجد تعمیر کرنے کی بھی اجازت نہیں دی ہمیشہ یہی کہا کہ قریبی مساجد میں جاکر **فریضہ صلوٰۃ** ادا کریں۔ کہ مبادا یہ بھی دیگر مساجد کی طرح کسی فرقے سے منسوب نہ ہونے لگے۔ وہ اکثر خدا کے حضور اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کرتے تھے کہ وہ وقت آئے جب عالم اسلام کی تمام مساجد' دین کے مراکز اور صحیح معنوں میں اللہ کا گھر بن جائیں۔ نیز ان میں سے ہر ایک مسجد ضرار کی تہمت سے محفوظ رہے۔ اپنی ایک مایہ ناز تصنیف "شہکار رسالت" میں خود اپنے متعلق یوں رقمطراز ہیں "میں نہ شیعہ ہوں نہ سنی۔ نہ اہل فقہ' نہ اہل حدیث۔ میں سیدھا سادہ مسلمان ہوں۔ قرآن کو خدا کی آخری۔ مکمل اور غیر متبدل کتاب مانتا ہوں اور حضور ختمی المرتبت کو خدا کا آخری رسول۔ جن پر نبوت ختم ہوگئی۔ میں تاریخ اور روایات کا جائزہ قرآن کریم کی روشنی میں لیتا ہوں"

اس کے برعکس ہمارے مذہبی پیشوا اپنے فرقوں پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ کبھی انہیں پھولوں کے گلدستے اور اور کبھی ایک مالا کے موتیوں سے تشبیہ دے کر خوش ہو لیتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ فرقہ بندی قرآن کی رُو سے شرک ہے اور شرک ایک ناقابل معافی جرم۔ لیکن چونکہ ان فرقوں سے ان کی اپنی مفاد پرستیاں وابستہ ہیں۔ اس لئے اس گناہِ عظیم کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں۔

برائے تبلیغ کار یارو
خیال کی مشعلیں بجھا دو
برائے تشکیل قوم ہم کو
تجوریوں کے دہن دکھا دو

کون فرقہ پرستی کا شکار ہے اور کون اس سے بچنا چاہتا ہے۔ اس کی ایک کسوٹی یہ ہو سکتی ہے کہ تمام فرقوں کے سربراہ علامہ پرویزؒ کی تقلید میں ایک مشترکہ اعلانیہ ریکارڈ کرائیں کہ "فرقہ پرستی قرآن کی رُو سے شرک اور عذاب ہے۔ ہمارا کسی مذہبی فرقہ سے کوئی تعلق نہیں۔ نیز ہم اپنی مساجد کو کسی فرقہ سے منسوب نہیں کریں گے"۔ یقیناً" اس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا اور فرقہ پرستی کی لعنت ختم کرنے میں بھی ضرور مدد ملے گی۔

قرآن ایک متفقہ اور اختلافی امور سے پاک کتاب ہے۔ پرویزؒ نے اپنی ساری عمر اسے سمجھے سمجھانے میں گزار دی۔ دیکھنا یہ ہے کہ پھر وہ کون سے نقاط سامنے آگئے جن پر سفیر موصوف پرویزؒ کو

پڑھنے کے بعد بھی اتفاق نہ کر سکے- بادی النظر میں یہ دین اور مذہب کا اختلاف معلوم ہوتا ہے- اس وقت ساری دنیا میں اسلام بطور دین کہیں بھی رائج نہیں اور مروجہ مذہب کو ہی اسلام کا نام دے دیا گیا ہے- مروجہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق کا نام ہے- یہ تعلق پوجا پاٹ' بھگتی یا پرستش کی چند رسومات یا گیان دھیان' مراقبوں' ریاضتوں کی رو سے قائم کر لیا جاتا ہے- یعنی یہ کہہ کر اپنے دل کو مطمئن کر لیا جاتا ہے کہ وہ تعلق پیدا ہو گیا ہے- اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایک خالصتہ" انفرادی جذبہ کا نام ہے- جس کے لئے کسی نظام کی ضرورت نہیں ہوتی-

اس کے برعکس دین اس نظام کا نام ہے جو قوانین خداوندی کی بنیادوں پر قائم کیا جاتا ہے- اور اس کا دائرہ انسانی زندگی کے ہر شعبے اور کاروبار حیات کے ہر گوشے کو محیط ہوتا ہے- پرویزؒ کے نقطہء نظر کے مطابق اسلام دین ہے' مذہب نہیں- مذہب کا تو لفظ تک قرآن میں نہیں آیا- خدا کے رسول ہمیشہ دین لے کر آتے تھے- لیکن ان کے بعد ان کے نام لیوا اس دین کو مذہب میں بدل دیتے تھے- اور مذہبی پیشوائیت اس کی اجارہ داری سنبھال لیتی تھی- یوں خود ایک مملکت دو حصوں میں منقسم ہو جاتی- ایک مذہبی لوگوں کی جو امور شریعت سنبھال کر شخصی قوانین کا نفاذ کرتے- دوسرے سیاست دان حضرات جو ملکی قوانین یعنی پبلک لاز کے انچارج بن جاتے- اس قسم کی مثال آج کل پاکستان میں قائم ہو چکی ہے- جس کے تحت مملکتِ خداداد میں یہی کچھ ہو رہا ہے- شخصی اور پبلک لاز کی بندر بانٹ نے ملک کو تباہ کر دیا ہے اور بے چارہ ایک عام پاکستانی موجودہ صورت حال سے گھبرا کر پکار اٹھا ہے کہ

سحر کا ایک ہی مفہوم ہے' طلوع سحر
مجھے فریب نہ دیں روشنی کی تفسیریں
کچھ اور نام سے اس کا یہ فصلِ گل تو نہیں
کہ بوئے گل کے لئے ڈھل رہی ہیں زنجیریں

اللہ آپ کی عمر دراز فرمائے

ہماری دلی تمنا ہے کہ ہمارا اور آپ کا زندگی بھر کا ساتھ رہے اور ماہنامہ طلوع اسلام زندگی کے آخری سانس تک آپ کے پاس پہنچتا رہے- جی ہاں! ایسا یقیناً ممکن ہے- صرف 1000 روپے یکمشت ادا کر کے آپ لائف ممبر بن سکتے ہیں-

([illegible])

رحمت اللہ طارق سیاح بلاد اسلامیہ

وادیٔ نمل کی ہوشیار ملکہ

منطق الطیر، ھدھد اور دابۃ الارض کی حقیقت

ماہنامہ 'اشراق' نے ارباب فکر پرویز کی خدمت میں' کے عنوان سے وادیٔ نمل کے باسیوں کو چیونٹیاں ثابت کرنے کی ایک اور کوشش کی ہے۔ اس کے جواب میں ہمیں بہت سے مضامین موصول ہوئے ہیں' جن سب کا شائع کرنا نہ ہمارے لئے ممکن ہے نہ ہم اسے وقت کا اہم مسئلہ سمجھتے ہیں کہ پیش پا اُفتادہ قومی مسائل سے صرف نظر کر کے لاحاصل مباحث میں الجھے رہیں۔ لیکن صاحب مضمون نے چونکہ پرویزؒ صاحب کے حوالہ سے بات کی ہے اور ان کا خیال ہے کہ وادیٔ نمل علامہ پرویزؒ ہی کے ذہن کی اختراع ہے' اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ان مضامین میں سے جو ایک سے بڑھ کر ایک مدلل ہیں بطور اتمام حجت علامہ رحمت اللہ طارق صاحب کا مضمون شامل اشاعت کر لیا جائے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ماضی میں بھی اکثر مفسرین اس آیۂ جلیلہ کا وہی مفہوم لیتے رہے ہیں جو پرویزؒ صاحب نے لیا ہے۔ یہ مضمون چونکہ طویل ہے اس لئے اس کی اشاعت دو قسطوں میں ہو سکے گی۔ اس موضوع پر روشنی ڈالنے والے باقی کرم فرماؤں کے بھی ہم صمیم قلب سے ممنون ہیں۔ مدیر مسئول

تاریخ' انسان کو پستی سے نکال کر حیات کی بلند ترین سطح پر لے جاتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ استفادہ کے لئے بالغ نظری اور گہرے شعور سے کام لیا جائے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے پورے شغف اور انہماک کے باوصف تاریخ فہمی میں گہرے شعور سے کام نہیں لیا۔ "خرقِ عادات" اور "کرامات" کو بنیاد بنا کر بے سروپا اور خرافاتی مواد کو "جزوِ یقین" بنا ڈالا۔ یہ درست ہے کہ اسلام کے ابتدائی ادوار میں "عجائب پسند" مسلمان جو' قرآن کے جغرافیہ سے نابلد محض تھے' زیادہ تر قصہ گوؤں اور داستان سراؤں پر اعتماد کرتے رہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جوں جوں "تاریخی شعور" اجاگر ہوتا

گیا' داستان سراؤں کا سحر ٹوٹتا رہا اور دامنِ عقیدت کو تھام رکھنے کے لئے "خرقیات" اور خرافات کی جن کرشمہ سازیوں کو اساس بنایا جاتا رہا' جس طرح سورج چڑھنے پر تارے غائب ہو جاتے ہیں' عقلی ارتقاء کے ساتھ ہی وہ "کرشمے" بھی کافور ہوتے گئے۔ اب سچ کے متلاشی ہر بات میں دماغ سوزی اور فکر و تدبر کے عادی ہونے لگے تھے۔ حقیقت و خرافات میں امتیاز کرنے کے لئے نئے نئے علمی اور سائنٹیفک معیارات معلوم ہونے پر تاریک راہیں روشن ہونے لگی تھیں۔ با ایں ہمہ جو "ماحولی" نفسیات ذہنوں پر مستولی تھا' اس کا مکمل ازالہ ممکن نہ تھا۔ کاش ہمارے **قدماء** کی معجزات کے نام پر رطب و یابس جمع کرنے کی یہ صلاحیتیں قرآن کے تاریخی مقامات کو برائے العین مشاہدہ کرنے پر صرف کی جاتیں تو نتیجہ یقیناً" ثمر آور ہوتا اور آج ہم نہ تو "اسرائیلیات" کے دلدل میں پھنسے ہوتے اور نہ ہی قرآن حکیم کی حقیقتوں میں "ریب و تشکیک" راہ پا سکتے۔ آج ہمارے بڑوں کی غفلت اور لاپراوہی کا نتیجہ ہے کہ ان کی تاریخی فروگذاشتیں حجت --- خامیاں دلیل اور لغزشیں دلیلِ راہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں اور معاندینِ اسلام انہیں اُچھال کر ہمارے سامنے مشکلات کی سربفلک دیواریں اونچی کر رہے ہیں۔ بلکہ قرآن حکیم پر رکیک حملوں کا جواز پیدا کر کے شرارتوں اور فتنوں کے نہ بند ہونے والے دروازے کھول رہے ہیں اور یہ وہ ناقابل تلافی نقصان ہے جس کا خمیازہ پوری ملتِ مسلمہ بھگت رہی ہے۔

یہ درست ہے کہ ہمارے سرسید اعظمؒ کے قلبِ حساس نے اس نقصان کا ادراک کیا اور مقام "عبور" موسیٰؑ' یاجوج ماجوج اور قرآن کے دیگر متعدد تاریخی و جغرافیائی واقعات پر خامہ فرسائی فرما کر اہل اعتراض کے آتشیں دہانوں کا رخ پھیر دیا اور ان ہی کی طرح زعیم ملت امام الہند مولانا **ابوالکلام آزاد** (1958م) نے ذی القرنین وغیرہ کی بابت نئی تحقیقات کا اضافہ کر کے خرافات کا منہ موڑ ڈالا۔ تاہم قرآن محکم کے بہت سے مقامات اور اسماء و اعلام اب بھی حساس طبقے کے لئے سوہان روح (خاکم بدہن) بن کر تشویش' پیہم اضطراب' اور مسلسل کرب' ٹیس اور غم بسیط کی صورت میں باقی ہیں اور ضرورت ہے کہ ریسرچ و تحقیق کے نئے اصولوں کے مطابق ان کا جائزہ لے کر اصل حقائق کو سامنے لایا جائے۔ چنانچہ ایسے ہی ارفع و اعلیٰ مقصد کو سامنے رکھ کر سورہ نمل کی ایک دو آیات۔ اصحاب اخدود کے ظالمانہ کارناموں اور فرعون "ذی الاوتاد" کے ابہام کے بارے میں اپنی گذارشات پیش کیں تھیں اور میرا احساس تھا کہ طالبانِ علم قرآن انہیں پسند فرمائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور میں ان کی حوصلہ افزائی پر سپاس گزار ہوں ----- لیکن اس بھری دنیا میں ایک ناشائستہ اور جذباتی شخص کی نادان دوستی نے میرے احساس کو مجروح کر دیا کہ اس نے میری کدوکاوش کے برعکس سورہ نمل کے مرکزی مضمون کی غیر متعلقہ بحث چھیڑ کر یہ تأثر دیا کہ ----- واقعہ سلیمانؑ میں جس "نملہ" یا "نمل" کا مذکور ہے اس سے درحقیقت یہی چیونٹیاں اور چیونٹے مراد ہیں ---- نہ صرف اتنا' موصوف نے منطق الطیر' ہدہد اور "دابتہ الارض" کی ضمنی بحث چھیڑ کر دامنِ تحریر کو زیادہ پھیلانے کی کوشش بھی کر ڈالی۔ اب میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ اپنی صفائی میں کچھ زیادہ تفصیل فراہم کر کے ضمناً" ..منطق

الطیر" وغیرہ کی حقیقت بھی واضح کر دوں چنانچہ 12-1-59 کو یہ ناگزیر کام سرانجام دے کر ناقد مذکور کی ژولیدہ فکری کو بر سر بام لے آیا اور میری اس "لاشعوری تحریک" کے نتیجہ میں ہوا یہ کہ مشہور عالمی محقق و ریسرچر علامہ ابوالجلال ندوی رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ و پروفیسر جمالیہ عربک کالج مدراس نے ناقد محترم کے پیرومرشد سید مودودی کے جواب میں ایک مدلل مقالہ تحریر فرما کر میرے فکر و نظر کے گوشے مزید واکئے ---- اور اب میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ سورہ نمل کی 18 ویں آیت کی بابت اتنی مدلل اور مبسوط تحلیل صرف میرے ہاں سے ہی ملے گی۔ **وباللہ التوفیق !**

آیہ نمل کا متن :- **قَالَتْ نَمْلَةٌ يَٰٓأَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَٰنُ وَجُنُودُهُۥ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ○**

(سلیمانؑ کی مذکورہ فوجیں جس وقت وادیٔ نمل میں داخل ہوئیں تو ان کی) رئیسہ نے کہا کہ اے قوم نمل اپنے اپنے گھروں میں جا چھپو' ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور اس کی فوجیں بے خبری میں تمہیں چور چور کر ڈالیں۔ ------ (نمل 18)

اس ترجمہ کی رُو سے آیت کا مفہوم واضح ہے کہ جن دنوں سلیمانؑ کا وادیٔ نمل پر گذر ہوا ان دنوں وہاں ایک عورت راج کر رہی تھی اور اسی ہی نے قوم اور سپاہیوں کو مشورہ دیا تھا کہ "گھر بند" ہو کر شہر کو کھلا چھوڑیں۔ ایسا ہی ہوا اور جنگی قوانین کی رُو سے محفوظ ہو گئے بلکہ ہزاروں برس کا یہی قانون اسلامی دور میں بھی نافذ' جاری اور رائج رہا۔ ارشاد ہے کہ **من دخل دار ابی سفیان فھو آمن' ومن القی السلاح فھو آمن' ومن اغلق بابہ فھو امن**

"فتح مکہ ہونے کے دن جس نے ابوسفیان کے گھر میں قدم رکھا وہ قانونی پناہ میں آگیا۔ جس نے ہتھیار ڈالے وہ بھی قانونی حفاظت میں آگیا اور اسی طرح جو گلی کوچوں کو کھلا چھوڑ کر "گھر بند" ہو گیا وہ بھی پناہ یافتہ ہے"۔ (بخاری و مسلم' بحوالہ **مشکوۃ**)

اسماء و اعلام کا ترجمہ :-

ہمارے متقدمین اور ان کے پیروکار "نملہ" کے طے شدہ مفہوم کے مطابق وادیٔ نمل کو چیونٹیوں والی وادی ہی تسلیم کرتے آئے ہیں جبکہ دنیا جانتی ہے کہ طے شدہ مفاہیم حقائق تخلیق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ پھر یہاں جو "خرابی" واقع ہوئی وہ اس اصول کو نظر انداز کرنے ہی سے ہوئی ہے کہ ان لوگوں نے اسماء و اعلام کے بھی ترجمے کر ڈالے۔ جبکہ احتیاط اسی میں تھی کہ ترجمہ کا اہتمام نہ کیا جاتا کیونکہ اسماء و اعلام جب علم (PROPER NOUN) کے طور پر استعمال ہوں تو ان کا ترجمہ کرنا اسم اور علم کی نفسیات کی نفی کر دینے کے مترادف ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کا نام "اسد یا **"صخر"** ہے۔ اب آپ **قال اسد** بول کر بغیر کسی قرینے کے "شیر بولا" مراد لیں۔ یا **قال صخر** کہہ کر چٹان کا بولنا اخذ کر لیں تو یہ کسی بھی قاعدے اور قانون کے مطابق صحیح نہیں کہلائے گا' بلکہ **قال** کا فعل قرینہ ہے کہ یہاں "اسد" سے مراد شیر اور **صخر** سے مراد پتھر نہیں ہے۔ اسی طرح **قالت نملۃ** میں "قالت" کا لفظ قرینہ ہے کہ یہاں **نملۃ** سے مراد چیونٹی نہیں ہے۔ اس کی دوسری

مثال یوں سمجھئے کہ آپ لا۔ ہور کا تجزیہ کر کے مفہوم متعین کرتے ہیں اور "لے آؤ" اور ساتھ ہی عربی میں ترجمہ کرتے ہیں کہ **اعط ثانیا** اور پھر وضاحت کرتے ہیں کہ **اعط ثانیا** پاکستان کے ایک شہر کا نام ہے جس کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ایک صوبے کا دارالحکومت ہے تو یقین جانئے کہ دنیا کے کسی بھی نقشے میں آپ کو لاہور نہیں ملے گا کیونکہ آپ کی فراہم کردہ معلومات' تجزیہ' ترجمہ اور تشریح نے اس کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اسی طرح جب آپ **نملہ - نمل اور وادی النمل** کا ترجمہ کریں گے تو کسی بھی حال میں مفہوم کی دشواریوں پر قابو نہیں پا سکیں گے۔

نمل وجہ تسمیہ: سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنوبی عرب کے ان قبائل نے اپنا لقب "نمل" کیوں تجویز کیا؟ تو اس کا جواب قوموں کی تاریخ کے ان اتھاہ ذخیروں میں آسانی سے مل سکتا ہے جو اس طرح کے ناموں اور القابات کی وجوہات سے بھرے پڑے ہیں۔ کیونکہ قاعدہ یہ تھا کہ بیشتر قومیں جانوروں کی بعض عادات و خصائل سے یا تو متاثر تھیں یا انہیں مقدس قرار دے کر اپنی ذات کو ان کے ناموں سے موسوم کر لیتی تھیں جیسے کہ ہندوستان میں "ناگ بنسی" قوم پائی جاتی ہے۔ دنیا کے اسی رواج کے مطابق عرب میں بھی قبائل کو حیوانات کے نام سے پکارنے کا رواج عام تھا۔ وہ ہر پسندیدہ جانور کے نام کے آگے "بنو" کا اضافہ کر کے بڑی آسانی کے ساتھ حیوان سے انسان بن جاتے تھے مثلاً **ثعلب** (لومڑی) **اسد** (شیر) **نمر** (چیتا) **قریش** (مچھلی) **کلب** (کتا) **ذئب** (بھڑیا) اور **لبؤۃ** (شیرنی)۔ یعنی **بنو ثعلب' بنو اسد' بنو نمر' بنوکلب** ------ لومڑی' شیر' چیتا اور کتا نہیں کہے جاتے کہ یہ مختلف قرائن کی وجہ سے جانور نہیں ہیں۔ خاص کر **بنو اور قال** کے قرائن ان کی انسانیت پر کھلے شاہد اور گواہ ہیں ------ جرأت' بہادری اور دلیری شیر کے اوصاف ہیں۔ کوئی شخص اگر ان اوصاف میں شیر کا سا جھی اور مظہر ہے تو مجازاً" اسے شیر کہنے میں نہ لسانی سقم ہے اور نہ استعاراتی خرابی کیونکہ اس کے ساتھ جو قرائن ہیں وہی اسے درندہ شیر سے علیحدہ کر دیتے ہیں۔ امام الہند آزاد نے عبداللہ نامی ایک صحابی کا ذکر کیا ہے جو **الحمار** کے لقب سے مشہور تھے (مسئلہ خلافت' طبع لاہور صفحہ 6/77 تا 7)

تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ سچ مچ کے "حمار" ہی تھے۔ **العیاذ باللہ**

ان شواہد کی رُو سے "نمل" اس قوم کا لقب ہے جو جزیرۃ العرب کے جنوب میں رہائش رکھتی تھی اور اسی ہی مناسبت سے ان کے مسکن اور وطن کو "وادی نمل" کے نام سے موسوم کیا گیا تھا ------

نملہ اسم نکرہ ہے۔ عربی میں تانیث کی علامت "تا" ہے اور اردو میں کوئی خاص قاعدہ نہیں ہے۔ عام طور پر الف' نون اور "یا" ------ اور صرف "یاء" سے تانیث کا کام لیا جاتا ہے مثلاً" مغل عورت کے لئے مغلانی۔ راجپوت عورت کے لئے راجپوتنی اور نمل کے لئے نملانی یا نملی وغیرہ۔

نمل کے انسان ہونے پر شواہد و قرائن:-

نمل کے متعدد معانی ہیں۔ یہاں اس سے مراد قوم نمل ہے کہ اس کے بغیر نطق اور قول کی نسبت صحیح نہیں ہو سکتی اور ہم محاورات اور لسانیات کے مسلمہ

اصولوں کو نظر انداز کر کے یہ نہیں کہہ سکتے کہ --- اللہ قادر ہے کہ چیونٹی میں قوتِ گویائی پیدا کر دیں کیونکہ اللہ کی قدرت کو 'خود ایجاد' ذہنی پیمانوں سے مربوط کر کے اللہ کی سنّتِ جاریہ اور فطرت اشیاء کی نفی نہیں کر سکتے۔ اس مضمون کو **اخوان الصفا** میں بڑے عمدہ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے جس کا رواں خلاصہ یوں ہے کہ

" سنت اللہ اور عادات انسانی نے ہر مخلوق کے مافی الضمیر اور "افادہ" کے طریقِ اظہار کو مختلف جبلتوں سے مربوط کر رکھا ہے اور یہ ربط ایسا ہے کہ متعلقہ ذات سے جدا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی غیر پر اس کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہے۔ یعنی کتا اگر بھونک کر ہی اپنا مافی الضمیر ادا کرتا ہے تو چنگھاڑ کر نہیں کر سکتا۔ گھوڑا اگر ہنہنا کر ہی راز دل بتا سکتا ہے تو بھونک کر نہیں بتا سکتا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مخلوق جس طرز ادا سے خوشی، غمی یا خواہش کا اظہار کرے زبان حال سے وہی اس کا نطق ہے اور وہی اس کا قول۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کے طرز ادا کا دوسرے پر اطلاق چونکہ طبعاً" محال ہے لہٰذا ہر مخلوق کے طرز ادا کا نام مختلف ہی تجویز ہوا۔ مثلاً" کلام، نطق اور قول انسان کے لئے۔ **نهق** گدھے۔ **عواء** اور **نبع** کتے اور **صهیل** گھوڑے کے لئے خاصہ لازمہ قرار پائے اور چیونٹی اپنے مختصر وجود کے لحاظ سے چونکہ آواز سے محروم تھی لہٰذا اس کی آہٹ کو اظہار خواہش کا ذریعہ ٹھہرا کر **دبیب** کو اس کی صفت قرار دیا۔

(اخوان الصفا طبع مصر 1929ء بتصحیح از کلی جلد 2/125 و صفحات متفرقہ)

اس تجزیہ سے واضح ہوا کہ جس طرح گدھا "ازروئے جبلت" (Instinct) بھونکتا اور کتا ڈھینچوں ڈھینچوں نہیں کرتا، اسی طرح انسان بھی طبعی طور پر **دبیب** کے وصف سے قاصر اور چیونٹی کلام کرنے سے عاجز ہے کیونکہ حیوانات سے کلام اور نطق کا صادر ہونا سنت اللہ کے خلاف ہے۔ **وَلَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ** (روم، 30) اور کہ جانوروں کی جبلت میں نطق اور کلام رکھا ہی نہیں **وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا** (فاطر، 43)

یہاں یہ سوال پیدا نہیں ہو سکتا کہ "اخوان الصفاء" کے مصنفین گمنام اور مجہول تھے لہٰذا ان کا تجزیہ قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا کیونکہ انہوں نے جن حقائق کا اظہار کیا ہے قرآن حکیم خود بھی ان پر گواہ ہے۔ وہ اگر کہتے ہیں کہ انسان فطرتاً" عاقل ہے اور حیوانات فطرتاً" "**لایعقل**" ہیں یا انسان فطرتاً" بھونکنے سے قاصر اور کتا بولنے سے عاجز ہے تو اس میں خلاف واقعہ کون سی بات سرزد ہوئی ہے۔ آپ کبوتر کی طرح آنکھیں موندھ کر دیکھنے سے انکار تو کر سکتے ہیں، بلی کی فطرت کو بدل کر بچ نہیں سکتے۔ بلبل کے چہچہانے، قمریوں کے غٹ غوں کرنے کو گائے بیل کے عمل سے مربوط کر کے قدرتِ خدا کا تماشہ نہیں کر سکتے۔ رہا اخوان الصفا کے گمنام ممبروں کا معاملہ تو وہ گمنام کب ٹھہرے؟ ذیل میں ان کے نام معلوم کر کے اپنی جہالت کا احساس کیا جا سکتا ہے۔ **العسل المصفاء** کے مصنف۔ عبدالحی الحویزی نے بڑی دقت اور ژرف نگہی سے لکھا ہے کہ اس مجموعے کے مصنف امام جعفر الصادقؒ کے خلیفۂ مجاز احمد بن عبداللہ تھے۔ بلکہ زید بن رفاعہ، اور ابوسلیمان مقدسی بھی ارکان اخوان الصفا میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے جب محسوس کیا کہ عالم انسان

ہدایت کے سرچشموں سے دور چلا گیا ہے تو فلسفیانہ پیرایہ میں اپنے "اہداف" و مقاصد کی وضاحت کر دی' کہ ان دنوں فلسفہ ہی تفہیم مسائل کا توانا ذریعہ بن گیا تھا۔

دوسرا قرینہ حطم :- آیہ زیر بحث میں قابل غور الفاظ میں سے **لایحطمنکم** کا لفظ بھی ہے۔ جس کے معنے توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے کے ہیں (زمر 21- واقعہ 65 اور حدید 20 بترجمہ شاہ رفیع الدین دہلوی) اور جن لوگوں نے **حطم** کا ترجمہ کچل دینا تجویز کیا انہوں نے ادبیات عرب اور نصوص قرآنی کے خلاف کیا ہے اور غالباً" اس خیال سے کہ نمل چونکہ چیونٹی کو بھی کہا جاتا ہے اور وہ اتنی حقیر مخلوق ہے کہ صرف کچلی ہی جا سکتی ہے لہٰذا اس مناسبت سے حطم کے معنی کچل دینا ہی تجویز کر ڈالے ! لیکن اگر ان کی تلاش کردہ مناسبت کے مطابق ہی وحی الٰہی نے کچھ کہنا ہوتا تو **لایحطمنکم** کی بجائے' **لایطانکم** کہنا موزوں ہو سکتا تھا۔ لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو سمجھ لینا چاہئے کہ **حطم** کے معنی لامحالہ روندنے اور کچل دینے کے نہیں کئے جاسکتے' اور وہی معنے صحیح ہوں گے جو قرآن پاک نے خود تجویز کئے یا اہل عرب نے واضح طور پر سمجھے۔ امام راغب۔ 1108 م مفردات الفاظ القرآن میں لکھتے ہیں **الحطم کسرالشئی** حطم کے معنے توڑنے اور چور چور کرنے کے ہیں۔ (طبع مصر صفحہ 122) اور استدلال میں بھی یہی زیر بحث آیہ پیش کر کے ہمارے موقف کی تائید کر جاتے ہیں۔ اسی طرح علامہ زمخشری (1144 م) نے اساس البلاغہ میں عرب کے محاورے **قد تحطمت الارض یبسا** کی تشریح میں لکھا ہے۔

ای تکسرت زروع الارض (خشک سالی سے درخت اور پودے ٹوٹ ٹوٹ کر جھڑنے لگے (طبع دارالکتب المصریہ صفحہ 87) بلکہ امام زمخشری ہی نے **حطم** کے مجازی مفہوم میں لکھا ہے کہ **اصابتھم حطمۃ ای ازمۃ** ---- کہ مصیبت ٹوٹ پڑنے کو بھی "حطم" ہی کہا جاتا ہے (اساس البلاغہ طبع مذکور صفحہ 87/ ک 3) اور استدلال میں ذیل کا شعر پیش کیا ہے۔

انا اذا حطمۃ حتت لنا ورقا
نمارس العود حتی ینبت الورق

جب کوئی آفت ہمارے باغ کے پتے گرا دیتی ہے تو ہم دوبارہ اپنی محنت کو کام میں لا کر انہیں سرسبز بنا ڈالتے ہیں (اساس البلاغہ طبع مذکور صفحہ 87)

اس بناء پر آیۂ زیر بحث کے معنی زیادہ قابل فہم بن جاتے ہیں کہ وادی نمل کی ملکہ نے قوم سے کہا

اے قوم نمل اپنے گھروں میں چلی جاؤ' ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور اس کی قوم لاشعوری طور پر تم پر مصیبت برپا کر دیں' اور تمہارا زور توڑ دیں (نمل 18)

یہاں **حطم** کا لفظ واضح قرینہ ہے کہ نمل سے مراد انسانی مخلوق اور یمن کا عربی قبیلہ ہے۔ اگر چیونٹیاں ہوتیں تو ان پر **حطم** کا اطلاق صحیح نہ ہو سکتا تھا کہ وہ تو تھیں ہی ریزہ ریزہ۔ انہیں سلیمانؑ کی افواج قاہرہ کی تلواریں مزید کیا ریزہ ریزہ کر سکتی تھیں؟

تیسرا قرینہ اُدْخُلُوا :- حطم کے علاوہ اسی آیت کا صیغہ **ادخلوا** بھی گواہ ہے کہ یہاں انسانی مخلوق مراد ہے کیونکہ غیر ذی عقل کے لئے امر "مذکر" کا صیغہ

استعمال نہیں ہوتا۔ یعنی قاعدہ یہ ہے کہ مخاطب جب ایسی مخلوق ہو' یا فاعل ایسا ذی روح ہو جو عقل و فکر کے تکلف سے بے نیاز ہو تو وہاں صیغہ امر "جمع" مذکر استعمال کرنے کی بجائے صیغہ امر۔ واحد مونث استعمال کیا جائے گا۔ شہد کی مکھی جو کہ انسانوں کے سے عقل و فکر سے محروم ہے۔ قرآن نے اسے بھی غیر عاقلوں کے صیغے "مونث" سے خطاب کیا ہے ارشاد ہے کہ **وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ**○

اللہ نے شہد کی مکھی کو وحی فرمائی کہ پہاڑوں میں' درختوں میں اور بود وباش کے مراکز کی چھتوں میں اپنا گھر بنا لے (نحل 68)

یہاں **النحل** پر وحی کے اطلاق کے باوصف غیر عاقل کا صیغہ **اتخذی** استعمال کیا گیا ہے کہ وہ فطرتاً" عقل کی نعمت سے محروم تھی جبکہ عربی ادبیات و گرائمر و استعمالاتِ قرآن کی رُو سے حشرات الارض اور غیر عاقلوں کے لئے انسانوں والا صیغہ استعمال نہ ہو سکتا تھا۔

اس قاعدے کی رو سے **نمل** اگر غیر انسانی مخلوق ہوتی تو **اُدْخُلُوْا** کے عاقل صیغے کی بجائے تانیث کے غیر عاقل صیغے **ادخلن** سے خطاب کیا جاتا۔ لیکن یہاں چونکہ انسانوں کا صیغہ استعمال ہوا ہے لہٰذا یہ برہان قاطع اور واضح قرینہ ہے کہ یہاں جس **نمل** کو خطاب کیا گیا ہے وہ کیڑوں' مکوڑوں کی جنس میں سے نہیں۔ انسانی مخلوق کا فرد ہے' اور اسی ہی نکتہ کو ملحوظ رکھ کر علامہ "خازن" (1340 م) جو کہ "نمل" کو حشرات ہی میں سے شمار کرتے تھے' یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ **ولم یقل ادخلن لانه جعل لهم عقولا کالادمیین فخوطبوا خطاب الادمیین**○

یعنی **ادخلن مساکنکم** فرمایا **ادخلن مساکنکن** استعمال نہیں کیا جبکہ پہلا صیغہ غیر انسانوں کے لئے استعمال نہ ہو سکتا تھا؟ تو وجہ یہ بنی کہ اللہ سبحانہ نے چیونٹیوں کو عقل دے کر انسانوں ہی کے صیغے سے خطاب کیا۔ (خازن طبع مصر 380/3

یہاں خازن کو تسلیم ہے کہ **ادخلوا** کا غیر انسانوں پر اطلاق نہیں ہو سکتا کہ گرائمر اور لسانیات کے متفقہ استقراء کی رُو سے غلط ہے لیکن اس کے باوصف اپنے ذہنی پس منظر سے مغلوب ہو کر ضابطہ شکنی کا ملبہ ذاتِ خداوندی پر ڈال دیتے ہیں۔ جبکہ اللہ پر غلط بیانی اور جھوٹ بولنا متاع دین و ایمان کو غارت کر دیتا ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○

چوتھا قرینہ مَسَاکِنَکُمْ:- یہاں **نمل** اگر غیر انسانی مخلوق ہوتی تو خطاب میں **مَسَاکِنَکُنَّ** کہا جاتا۔ یہ علاوہ اس کے کہ عربی کی وسعتوں میں انسان' حشرات الارض اور حیوانات کی آرام گاہ کو مختلف مناسبتوں سے مربوط کر کے جدا جدا ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ جس طرح ہم شہد اور بھڑوں کے لئے چھتا۔ شیر کے لئے کچھار۔ لومڑی' گیدڑ اور بھیڑیئے کے لئے بھٹ۔ سانپ کے لئے بانبی۔ بچھو کے لئے سوراخ' چیونٹیوں کے لئے بل' گھوڑوں' خچروں اور گدھوں کے لئے اصطبل' گھڑ سال اور طویلہ' گائے بھینس کے لئے مویشی خانہ اور تمام پرندوں کے لئے گھونسلے کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اسی طرح عربی میں بھی ہر جاندار کی رہائش کے لئے الگ الگ نام استعمال کئے گئے ہیں۔ مثلاً" شیر' **چرخ**' سانپ اور

بھڑیئے کے لئے **عرینہ**۔ اونٹ کے لئے **مناخہ**۔ بچھو اور چیونٹیوں کے لئے **جحر**۔ گائے بھینس کے لئے **مذبلہ** اور انسان کے لئے بیت' دار اور مسکن وغیرہ۔

عربی لسانیات کی ان خصوصیات کے مطابق آیۂ زیر بحث میں **نمل** سے اگر چیونٹیوں کی جنس مراد ہوتی تو **اُدْخُلُوْا مَسَاكِنَكُمْ** کی بجائے **اُدْخُلْنَ مَسَاكِنَكُنَّ** کہا جاتا لیکن ایسا نہیں کیا گیا جو واضح قرینہ ہے کہ یہاں **نمل** سے انسانوں ہی کے گروہ مراد ہیں اور بجا طور پر انسانوں ہی کے لوازمات اور صیغے استعمال میں لائے گئے ہیں۔

پانچواں قرینہ۔ آواز:- چیونٹی ایک "بے آواز" اور صامت کیڑا ہے۔ کسی انسان نے اس کی آواز نہیں سنی۔ اس کے برعکس چڑیوں کی آواز ہم سنتے ہیں اور ایک حد تک ان کے چہچہانے کی وجہ بھی بعض لوگوں کی سمجھ میں آجاتی ہے بلکہ زلزلہ یا اس طرح کی ناگہانی آفت آنے سے پہلے یہ چڑیاں درختوں پر نظر نہیں آتیں۔ سورج ڈھلنے پر جب خوب چہچہاتی اور شور مچاتیں ہیں تو ہر کوئی سمجھ جاتا ہے کہ اپنے رین بسیرا کے لئے فکر مند ہیں۔ میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر مخلوق کی کسی طرح کی آواز ضرور ہوتی ہے اور سنانے و سننے کے لئے "مخصوص" صوتی کیفیت بھی' لیکن چیونٹیاں آواز سے قطعی محروم ہیں۔ اب زیر بحث "نملہ" اگر چیونٹی ہی تھی تو اس نے کس طرح کی چیخ ماری جسے اس کی قوم نے بھی محسوس کیا اور سلیمانؑ بھی اس کی بات سمجھ گئے؟ "چیونٹی بولی" ایک شاعر تو کہہ سکتا ہے لیکن وحی آلہی سہو و خطا کے مراحل سے گزرنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ **قالت نملة** کے صریح اشارے کو چھوڑ کر "نملہ" سے چیونٹی مراد لینا دیومالائی کتھا تو ہو سکتی ہے۔ قصص القرآن کا باب نہیں ہو سکتا۔

چھٹا قرینہ۔ آیہ کا ماسبق:- آیہ زیر بحث کا ماسبق اس طرح ہے **وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ○ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ○**

اور سلیمانؑ کے لئے جنوں' انسانوں اور طیر کے لشکر اس ترتیب سے جمع کئے گئے تھے کہ ہر قسم الگ الگ تقسیم تھی (نمل 17)

اس آیت میں مملکتِ سباء کو فتح کرنے کی جنگی تیاریوں اور سلیمانؑ کے لئے زبردست لاؤ لشکر جمع کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ سباء پہنچ کر اپنا عمل شروع کر دیں طائف سے گذر کر جب یمن کی "وادی نمل" پہنچے تو وہاں قبائل نمل کی چھوٹی سی مملکت کا پتہ چلا۔

یہاں سے ظاہر ہے کہ اگر وہ چیونٹیوں کی مملکت تھی تو اسے فتح کرنے کے لئے عام عقیدے کے مطابق ناری' نوری اور خاکی افواج کا اہتمام بے معنی ہو جاتا ہے۔ کیا سلیمانؑ کا لشکر بیکراں واقعتاً" چیونٹیوں پر ہی تلوار کے جوہر دکھلا کر فتحمند ہونا چاہتا تھا؟ کیا اس وادی کے علاوہ سلیمانؑ کو کہیں بھی چیونٹیوں کا احساس نہیں ہوا کہ وہ دوسرے مقامات پر تو انہیں روندتے اور ان کے بلوں کو ملیا میٹ کرتے رہے مگر یہاں پہنچ کر اپنی چیونٹی شکن تلواروں کو نیام میں دینے پر مجبور ہو گئے؟ ------ حقیقت یہ ہے کہ سلیمانؑ نے نہ تو چیونٹیوں پر لشکر کشی کی اور نہ ہی **نمل** کو آپ بے زبان' بے گوش اور خرق عادت کیڑا

سمجھتے تھے؟ نیز اگر آپ نے اتنے اولوالعزم اور تمام وسائل حرب و ضرب کے مالک ہونے کے باوصف چیونٹیوں کو تہس نہس کرنے کا اہتمام کیا تھا تو کیا یہ آپ کی توہین نہیں ہے؟ کیا اگر چیونٹیاں گھر بند نہ ہو جاتیں تو سلیمانؑ اپنی عظمت کو داؤ پر لگا کر انہیں "مسل" کے نہ رکھ دیتے؟

ساتواں قرینہ ملکہ نمل کے نام :-

مفسرین نے بہ اختلاف روایات "نملہ" کے لئے کچھ نام بھی تجویز کر لئے ہیں مثلاً" **طاخیہ۔ منذرہ۔ حزمی اور حرس** ! ان میں سے حقیقی نام کیا تھا؟ اس کا علم شاید ان مفسر حضرات کو بھی نہ ہو جنہوں نے اتنے سارے نام تجویز کر لینے کے بعد بھی اسے زمینی حشرہ ہی سمجھ رکھا ہے ! یا پھر علمائے اثریات (Archaeologist) ہی بتلا سکتے ہیں کہ اس قسم اور اس نام کی چیونٹیاں عرب کے کس علاقے میں تھیں؟ یمن کی وادی نمل میں یا شام کے طاء والنمل میں؟ اور کتنا عرصہ ہوا کہ یہ نسل ناپید ہو چلی؟ کیونکہ مجھ سے اگر سوال ہو گا تو میرا ایک ہی جواب ہو گا کہ ان روایات کا سر ہے نہ پیر! آپ گھریلو اور مانوس جانوروں کے پیار یا شناخت کے نام تجویز کر سکتے ہیں، ان کی عمدہ نسل اور شاخ کی بابت بھی بات کر سکتے ہیں۔ لیکن نامانوس اور غیر مالوف حیوانات کے نام رکھنا آپ کے بس کی بات نہیں ہے اور پھر نام بھی چیونٹی جیسی حقیر اور مختصر جسم والی مخلوق کا جس کے نہ تو سر پر آپ ہاتھ پھیر سکتے ہیں، نہ ہونٹوں سے پچ پچ کر کے انہیں مانوس کر سکتے ہیں! اور غالباً" یہی وہ پیچیدگیاں اور گنجلک حالات تھے جنہیں ملحوظ رکھ کر مراکش کے علامہ عبدالرحمٰن السہیلی (1186 م) نے لکھا کہ

ولا ادری کیف یتصور للنملة اسم علم والنمل لا یسمی بعضه بعضا ولا الادمی یمکنه تسمیة واحد منها باسم علم لانه لا یتمیز للادمیین بعضهم من بعض ولاهم ایضا واقعون تحت ملک آدم کالخیل والکلاب لان العلمیة فیما کان کذالک موجدة عندالعرب ○

یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ ایک نملہ کے لئے اسم علم (Proper name) کیسے تصور میں لایا گیا؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ خود چیونٹیاں بھی اپنی ہم جنس چیونٹیوں کے نام تجویز نہیں کر سکتیں۔ یہ حضرت انسان کے لئے کیسے ممکن ہوا کہ لاکھوں کروڑوں چیونٹیوں کی شناخت کر کے الگ الگ نام تک تجویز کر ڈالے؟ یہ تو بشری استطاعت سے قطعی خارج ہے۔ بشر تو ایسے جانوروں کے نام رکھ سکتا ہے جو اس کی دسترس یا ایک گونہ پرورش میں ہوں۔ مانوس ہوں اور سدھائے جانے کی صلاحیت رکھنے والے ہوں جیسے گھوڑے، بندر، کتے ہیں کہ عرب میں ایسے گھریلو جانوروں کے لئے اسم علم تجویز کرنے اور پکارنے کا رواج بخوبی ملتا ہے۔

التعریف والاعلام فیما ابهم من الاسماء والاعلام ---- بحواله حیاة الحیوان مصنفه علامه دمیری (1405 م) طبع قاہرہ جلد 2/433 مادہ "نملہ")

سہیلی نے عام اصول کے تحت وضاحت کرنے کے بعد حاصل وضاحت یوں پیش کیا ہے کہ **فهوان تکون هذه النملة الناطقة قد سمیت بهذا الاسم**

یہ شواہد واضح کرتے ہیں کہ سلیمانؑ نے جس "نملہ" کو جنگ کی وارننگ دی تھی اور اس نے اپنی قوم کو جس طرح نتائج سے آگاہ کیا تھا اسے انسان ہی تسلیم کیا جائے کہ انسانی مناسبت ہی سے اس کا نام بھی تجویز ہو سکتا تھا اور کام بھی مصالحانہ سرزد ہو سکتے تھے۔

(حیا| الحیوان جلد 433/2))

آٹھواں قرینہ- تاریخی نوشتے :- اسطرابو یونانی (60 ق م) اپنے جغرافیہ میں "مری گائیڈ" میں "نمل" کے ذیل میں لکھتا اور ان کے اوصاف بتلاتا ہے کہ "یہ لوگ سونے کو ریت سے علیٰحدہ کرنے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں"

اسطرابو کی یہ کتاب انگریزی میں ترجمہ ہو کر 1857ء میں تین جلدوں میں چھپ چکی ہے (بحوالہ تہذیب الاخلاق جلد سوئم علامہ اعظم یار جنگ' چراغ علیؒ (1895 م) طبع چنن دین لاہور صفحہ 142)

اسطرابو کی یہ شہادت نزولِ قرآن سے کم از کم چھ سو سال پہلے واضح کرتی ہے کہ عرب اپنے قبیلہ "نمل" سے آشنا اور ان کے پیشے سے بخوبی متعارف تھے۔ لہٰذا یہ بات قرینِ عقل ہے کہ وحیٔ الٰہی نے اسی قوم کا واقعہ ذکر کر کے احساس دلایا ہے کہ وہ انسان تھے بلکہ ایک گونہ کیمسٹری میں اچھی مہارت بھی رکھتے تھے۔

نواں قرینہ- نمل کی شاخ :- محدث و مورخ ابن عساکر (1176 م) لکھتا ہے کہ روایت کی ہم سے اسحاق بن بشر نے سعید سے اور اس نے قتادہ سے کہ حسن نے اسے بتلایا

"نملہ" سلیمانؑ کا نام "حرس" تھا۔ وہ قبیلہ بنی شیصان کی شاخ میں سے تھی اور لنگڑا کر چلتی تھی۔ قدو قامت زیادہ بلند نہیں تھا بھیڑیئے کے برابر تھا۔

(بحوالہ تفسیر ابن کثیر طبع قاہرہ جلد 309/3)

یہ روایت جیسی بھی ہے اِس سے بحث نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ محدثین نے اس کے لنگڑے پن' قامت اور قبیلے کی نشاندہی کر کے ایک گونہ اعتراف کیا ہے کہ وہ مشہور معنی میں "چیونٹی" نہیں تھی۔ بنت حوّا تھی۔ جنسِ آدم میں سے تھی قبیلہ بنی شیصان (Sheesan) کی ایک فرد تھی۔

نمل کے معنی :- عام طور پر نمل کے معنی چیونٹی کے لئے جاتے ہیں لیکن منجد اور "قاموس" میں **نملہ- نمل- یا نمال** کی ذیل میں لکھا ہے **نمام- نحیر** یعنی جاسوسی اور مخبری کرنے والی (المنجد طبع بیروت صفحہ 473) یعنی منجملہ دیگر معانی کے ایک معنی یہ بھی ہیں اور یہ بات یوں بھی قرین قیاس ہے کہ "نمل" قبیلہ کی رئیسہ نے مخبروں کے ذریعہ معلوم کر لیا کہ سلیمانؑ یمن کو فتح کرنے کے لئے پورے لاؤ لشکر سے یہاں سے گزرنے والے ہیں اور ہم کہ جو راہوں میں پڑے ہیں۔ ہو سکتا ہے ہمیں بھی حریف سمجھ کر بے خبری میں چڑھائی کر دیں لہٰذا شہر کو کھلا چھوڑ کر اس کی وارننگ کا جواب فراہم کریں کہ ہم پرامن ہیں۔

وادی نمل کا محل وقوع :- مفروضات کی کثافت سے حقائق کے چاند و سورج کی روشنی کو مدہم کرنے والے سید مودودی صاحب قبیلہ "نمل" کی حقیقتوں کو ایسے مفروضوں سے تعبیر کرتے ہیں جن کے لئے کوئی علمی ثبوت نہیں ہے۔ وہ تاریخ جغرافیہ اور آثار قدیمہ کی پختہ شہادتوں کو ڈھکوسلہ قرار د

اور عجوبہ پسند اسلاف کی خیالی تفاسیر کو مستند باور کراتے ہیں۔ ان کے ایک پیروکار محترم وصی ظفر ندوی صاحب (سابق امیر جماعت حیدر آباد اور عہد ضیاء کے وزیر اوقات) خفا ہیں کہ میں نے اس ضمن میں جو لکھا ہے وہ "لادینیت" کا مظہر ہے۔ اب پیرومرشد اور پیروکار کی بابت یہ تو نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے دل پر لگی ہوئی "سیل" کو توڑ کر خانہ دل کی ظلمتوں کو حقیقت کی روشنی سے زائل کیا جا سکتا ہے تاہم طالبان علم قرآن کے لئے جو کچھ میری معلومات کے احاطے میں ہے اسے پیش کرنا ذمہ داری سمجھتا ہوں وھو ھذا

الشربینی اور مفسر حازن (1340 م) کی تفاسیر میں حضرت کعب احبار (متوفی 652 م باعمر 104 سال) کا ایک طویل قول منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

حضرت سلیمانؑ (950 ق م) یمن کو فتح کرنے کے ارادے سے چلے' **اصطخر** (پیٹرا) سے ہوتے ہوئے مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے ----- پھر مکہ مکرمہ سے گذرے ------ اس کے بعد وادی سدیر (جو طائف میں ہے) سے گذر کر وادی النمل میں پہنچے۔

(خازن طبع حلبی قاہرہ 7/379/3 تا 8

حضرت کعبؒ احبار تک اس کی سند کیسی ہے؟ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ حضرت کعب یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے بات نہیں کر رہے تاکہ جواب دہی کا بوجھ ان پر ڈالا جا سکے۔ وہ اپنا مشاہدہ بیان فرما رہے تھے کہ یمن اور مضافات سے انہیں وطنی نسبت بھی حاصل تھی۔ خاص کر مفسرین کے ایک گروہ کے نزدیک مذکورہ وادیٔ نمل۔ طائف کی وادی "سدیر" اور ملکہ سباء کے شہر "مارب" کے درمیان ملکِ یمن ہی میں واقع ہے۔ اس طرح کعب احبار۔ اسی دیار کے باشندہ ہونے کے ناطے سے زیادہ منوانے کی پوزیشن رکھتے ہیں۔ ان کی گواہی' ان کا مشاہدہ' اپنے اندر صداقت اور توانائی کا روشن پہلو رکھتے ہیں اور اسے دیکھتے ہوئے علامہ محمد احمد۔ خطیب الشربینی (1570 م) اپنی تفسیر "سراج المنیر" میں لکھتے ہیں ---- **ھذا قال کعب انه واد با الطائف قال البقاعی وھو الذی تمیل الایه النفس فانه معروف عندھم الی الان بھذا الاسم۔**

وادی النمل کی بابت جو تفصیل حضرت کعبؒ نے فراہم کی ہے وہی برحق اور برمحل ہے۔ علامہ ابراہیم بن عمر بقاعی اسی کو حرف آخر کہہ کر فرماتے ہیں کہ یہ وہ تفصیل ہے جس سے ہمہ قسم ذہنی خلجانات زائل ہو جاتے ہیں اور میرا دل بھی اسی کو ترجیح دیتا ہے کیونکہ ایک تو کعب اسی خطے کے باشندے تھے' دوم یہ وادی آج بھی اسی نام سے مشہور ہے جس نام سے عہد سلیمانیؑ میں مشہور تھی۔

(تفسیر سراج المنیر طبع نول کشور لکھنؤ 1293 ھ جلد 48/3 نیز۔ خازن 7/379/3 تا 8)

بقاعی (1480 م) سے پتہ چلتا ہے کہ یمن کی وادی نمل 885 ہجری تک اسی نام ہی سے مشہور تھی بلکہ سولہویں صدی کے محقق الشربینی نے **الی الان** کہہ کر 950 ق م سے لے کر 1570 م تک کی گواہی پیش کر کے سید مودودی اور میرے ناقد محترم W.M ندوی کی علمی ساکھ کا پیشگی بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔ یہ کیا کم مشاہدہ ہے کہ سلیمانؑ سے لے کر بقاعی تک یعنی دو ہزار چار سو اور تیس برس گزرنے کے باوصف یہ

وادی ایک ہی نام سے موجود و متعارف رہی؟

ایک اور شہادت:- بقائی سے پہلے مشہور جغرافیہ نویس حسن بن احمد بن یعقوب الھمدانی (945 م) نے اپنی شہرہ آفاق جغرافیائی اور تاریخی کتاب **"صفة جزيرة العرب"** میں ---- سراۃ ----- یعنی اس سلسلۂ جبال کے یمنی حصے کا بیان کیا ہے جو یمن سے شام تک بحر احمر کے کنارے کنارے چلا جاتا ہے۔ اس حصے کا نام ---- **سراۃ المصانع** ہے اور اسی کے ایک پہاڑ کا نام **جبل التغلٰی** ہے۔ اس کے پاس اور اس کے دامن میں جو بستیاں واقع ہیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں **قیلاب** --- **نمل** ---- **شرس** اور اردان (صفحہ جزیرۃ العرب۔ مطبعۃ السعادہ 1953 م صفحہ 71)

اسی طرح "بنو حاشد" کے بازاروں کے تذکرے میں "نمل" اور اس کے ساتھ دیگر مقامات کا دوبارہ ذکر کیا ہے۔ نیز ---- **"سراۃ ادویہ"** کی وضاحت میں بھی "نمل" کو نمایاں کیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ 72 و صفحہ 193)

پھر عجائبات یمن کی ذیل میں لکھا ہے۔

اور ان میں سے ایک جبل **"تغلٰی"** (Takhlla) ہے جس میں قلعے اور ---- متعدد بستیاں واقع ہیں۔ اس قلعے کے چند دروازے ہیں جن میں اجازت لئے بغیر داخل نہیں ہوا جا سکتا ---- یہ دروازے بند کئے جاتے ہیں۔ ان قلعوں' بستیوں اور ایسے کھیتوں جن پر پانچ ہزار "ذہب" کا گیہوں حاصل ہوتا جس کی مقدار سات ہزار پان سو قفیز بنتی ہے۔

اس کے بعد شہر پناہ کے ان دروازوں کے نام بتلائے ہیں جو وہاں کے قبائل کے داخل ہونے کے لئے مشہور تھے جن میں سے ایک دروازے کا نام "البرار" (Barar) ہے جو قبائل شرس "نمل اور قدم" کے داخل ہونے کے لئے خاص تھا (صفحہ جزیرۃ العرب صفحہ 197)

(جاری ہے)

وضاحت

بعض کرمفرماؤں کو شکایت ہے کہ انہیں یہ اطلاع نہیں دی جاتی کہ ان کا زر شرکت کب ختم ہو رہا ہے۔ گزارش ہے کہ جونہی ان کا زر شرکت موصول ہوتا ہے' کمپیوٹر خریدار کے لیڈریس کے اوپر یہ اطلاع دینی شروع کر دیتا ہے کہ ان کا زر شرکت اسے کب تک کے لئے موصول ہوا ہے۔ کھاتہ داروں کا زر شرکت کمپیوٹر ہر سال کھاتوں سے وصول کر لیتا ہے اور تاریخ خود بخود آگے بڑھا دیتا ہے۔

ترسیل زر ادارہ کو براہ راست بھجوایئے یا اپنی نزدیک ترین بزم کے دفتر میں جمع کروا دیجئے۔ (ناظم ادارہ طلوع اسلام)

اقبال اور قرآن

مدیر 'محقق' کرنل ڈاکٹر محمد ایوب خان صاحب کے خط کا عکس آپ نے صفحہ 37 پر ملاحظہ فرمایا۔ صاحب مضمون جناب عبداللہ ثانی صاحب کا ڈاکٹر صاحب کے نام جواب نذر قارئین ہے۔ (مدیر مسئول)

ماہنامہ 'محقق' حقیقت کا ترجمان ہے۔ اس ناطے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ کے گراں قدر سوالنامے کا جواب ماہنامہ طلوع اسلام میں دوں۔ یہ اس لئے کہ ماہنامہ طلوع اسلام کی بنیاد بھی علامہ اقبالؒ نے فراہم کی تھی اور نام بھی انہوں نے ہی رکھا ہے۔ دوسرا اس لئے کہ یہ سوال و جواب ریکارڈ کا حصہ بن جائیں تاکہ کوئی طالب علم کسی حقیقت کی تلاش میں اگر ادھر آنکلے تو مایوس نہ لوٹے۔

آپ نے فرمایا ہے کہ

1- اسلام کا معاشی نظام بمشکل دس سال چلا ہوگا (بقول راقم) وہ کیا باتیں تھیں جو چلیں اور وہ دس سال کون سے تھے؟ (نبوی زمانہ یا خلفاء کا زمانہ)

عرض ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات کوئی نئی نہیں تھیں۔ اللہ کا پیغام ازل سے ایک اور ابد تک ایک ہی رہے گا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ آج اللہ کا ایک حکم ہے اور کل دوسرا۔ یاد رہے کہ میں روایات یا تاریخی نوشتوں کی بات نہیں کروں گا کہ میں تاریخ پر یقین کرنے کا خود کو مکلف نہیں سمجھتا اور یہ حق ہر انسان کو دیتا ہوں کہ وہ تاریخ پر چاہے تو یقین کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ قرآن کریم کو افضل و اعلیٰ اور من جانب اللہ سمجھے اور تاریخ کو قرآن کریم کی روشنی میں پرکھے۔ جہاں تضاد ہو وہاں قرآن کو اٹل سمجھے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیغام دیا تھا وہ دراصل وہی پیغام تھا جو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک دیا جا چکا تھا۔ یہ بات الگ ہے کہ مرور زمانہ نے اللہ کے اس پیغام کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا یا لوگوں نے اس میں اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ملاوٹ کر دی تھی۔ وہی پیغام اب اپنی آخری اور مکمل شکل میں قیامت تک محفوظ (Preserve) کرنے کی ذمہ داری لے کر اللہ نے ہمیں عطا کیا ہے۔ مثلاً" جب حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان "صلوٰۃ" پر مکالمہ ہوا تو انہوں نے حضرت شعیبؑ کی طرف سے پیش کردہ "صلوٰۃ" سے انکار کر دیا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ○(11/87)

"اے شعیبؑ! (تم جو کچھ کہتے تھے اس سے ہم نے سمجھا تھا کہ تم صرف پوجا پاٹ کا کوئی اپنا طریق لے کر آئے ہو' اس لئے ہم نے اس سے کچھ

تعرض نہیں کیا تھا۔ ہمارے ذہن میں تھا کہ ہم اپنے آباء واجداد کے طریقے پر پوجا پاٹ کرتے رہیں گے۔ تم اپنے طریقے پر کرتے رہو۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ معاملہ صرف پوجا پاٹ کا نہیں۔ تیری صلوٰۃ صرف پرستش نہیں۔ یہ تو ہماری روزمرہ کی عملی زندگی کے ان شعبوں میں بھی دخیل ہو رہی ہے جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں)۔ کیا تیری صلوٰۃ تجھ سے یہ کہتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے اسلاف کرتے آئے ہیں اور یہ کہ نہ ہم اپنی مرضی سے دولت حاصل کریں اور نہ ہی اپنی مرضی سے اسے خرچ کریں؟ چہ خوب !۔ (اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے آباء واجداد جن سے یہ موجودہ نظام منتقل ہو کر چلا آرہا ہے' سب ظالم اور جاہل تھے)۔ اور عقل و فہم' تحمل اور بردباری' غریبوں کی ہمدردی اور غم خواری سب تمہارے حصے میں آگئی ہے۔

یہی صلوٰۃ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اسی کو وحدتِ قانون یا وحدتِ نظم (Monism of Order) کہا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم اس بنیادی دعوے کو بڑی شدومد سے پیش کرتا ہے۔ اب اگر وحدتِ نظم من جانب اللہ ہے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ آج ایک قانون نافذ العمل ہے اور کل دوسرا۔ انسانوں کے وضع کردہ قوانین کے نفاذ کے بعد اس کی کمزوریاں اور کوتاہیاں سامنے آجاتی ہیں۔ ان کو دور کرنے کے لئے مزید قانون سازی ہوتی ہے تو پہلے قانون کا حلیہ بگڑ جاتا ہے۔ ہم آئے دن یہ دیکھتے ہیں۔ لیکن خدائی قوانین ازل تا ابد ایک ہیں اور ایک رہیں گے۔ فرق چشمے کا ہے آنکھ کا نہیں۔ زرد رنگ کا چشمہ پہن کر دیکھا جائے تو ہر شخص یرقان کا مریض لگتا ہے اور سرخ رنگ کا پہنے تو سیاہ فام حبشی بھی انگریز لگے گا۔ اس معاشی نظام کو جس نبیؑ نے بھی پیش کیا اس کی اساس ایک تھی۔ اس معاشی نظام یا صلوٰۃ کو اگر حضرت شعیبؑ نے پیش کیا تو یہی نظام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیش کیا۔ دورِ نبوت میں اس نظام کی ایک جھلک مدینہ میں دکھائی دی۔ اس کی آخری کرن حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت تک نظر آتی ہے۔ ایک ایسا تصور دیا گیا کہ **الارض للہ** زمین اللہ کی ہے' یہ لکیریں ہم نے کھینچی ہیں۔ جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔ جو واہے گا وہی کھائے گا۔ جو ہل چلائے گا وہی روٹی پکائے گا۔ تاریخ کے اوراق آج بھی شاہد ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں زمینیں بانٹ دی گئی تھیں۔ انبیاءِ کرام حاکمِ وقت ہونے کے باوجود جب اس جہان سے رخصت ہوئے تو محکمہ مال کے کاغذات میں ایک مرلہ زمین ان کے نام نہ تھی۔ اگر یہ درست ہے اور یقیناً درست ہے تو پھر اسلام کا معاشی نظام اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا؟

(ضمناً" راقم نے شریعت کورٹ میں لینڈ ریونیو ایکٹ کی ان دفعات کو چیلنج کیا ہوا ہے جن میں کاغذات مال کے خانہ ملکیت میں کسی انسان کا نام لکھا جاتا ہے' کہ انسان کسی صورت میں بھی زمین کا مالک نہیں ہو سکتا۔ یہ تصور غیر قرآنی ہے۔ لہٰذا غیر اسلامی ہے۔ قرآن کریم میں منقولہ جائیداد کے لئے انسان کا مالک ہونا موجود ہے لیکن غیر منقولہ جائیداد کا مالک ہونا ثابت نہیں)۔

قرآنِ کریم اصول دیتا ہے' جزئیات کا تعین اسلامی معاشرہ کرتا ہے۔ ہم اگر انسانی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ جن قوموں نے قانونِ خداوندی سے سرکشی برتی اور ایسے پروگرام بنائے جن سے معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہو گئیں تو ان کی

تدبیروں کا وبال خود ان کے اوپر آپڑا۔

اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا - 35/43

مفہوم

"اس لئے نہیں کہ وہ اس کے دکھائے ہوئے راستے میں کوئی غلطی دیکھتے ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ انہیں ملک میں جور و استبداد اور سرکشی سے روکتا ہے اور ایسی تدابیر سے منع کرتا ہے جو معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کریں ------ اور یہ لوگ اپنی اس روش کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ۔

لیکن انہیں اس کا علم نہیں کہ ناہمواریاں پیدا کرنے والی تدبیریں' خود ان تدبیر کرنے والوں کو لے ڈوبا کرتی ہیں۔ سو اب یہ لوگ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ جیسا کچھ اقوام سابقہ کے ساتھ ہوا تھا' وہی کچھ ان کے ساتھ ہو۔ سو ایسا ہو کر رہے گا۔ اس لئے کہ اللہ کا قانون اٹل ہے۔ نہ اس کی نتیجہ خیزی میں کوئی تبدیلی ہوا کرتی ہے اور نہ ہی ان نتائج کی سمت بدلا کرتی ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔

مختصر الفاظ میں یہی وہ معاشی نظام تھا جو روزِ اول سے روزِ نبوت اخروی تک پیش کیا گیا۔ لیکن بعد میں پوجا پاٹ کو منتہائے نبوت سمجھ لیا گیا۔اور مخالف قوتوں نے ایک بار پھر وہ کچھ کر دکھایا جو ازل سے ہوتا چلا آرہا تھا۔ حضرت عمرؓ کا یہ پوچھنا کہ "قاتل کون ہے؟" جواب ملنا کہ "ایران نژاد ابو لؤلؤ فیروز"۔ اپنے اندر ایک بہت بڑی تاریخی اہمیت رکھتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد ایک کلمہ گو نے دوسرے کلمہ گو کا سر جس بے دردی سے قلم کیا اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ ہماری تاریخ کی ایک ایک اینٹ کی چنائی خون کے گارے سے ہوئی اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ فرضی داستانوں کو دین کا حصہ بنا دیا گیا۔ جھگڑا نماز' روزے' حج یا زکوۃ کا ہرگز نہیں بلکہ سارے کا سارا جھگڑا حصول رزق کا ہے۔ دور ملوکیت میں غیر تحریری طور پر ایک ایسی **ثنویت** سامنے آگئی کہ بادشاہ ارض کا مالک بن بیٹھا اور کفن دفن' نماز' زکوٰۃ' حج' ختنہ' نکاح' طلاق جیسے معاملات چرچ نے سنبھال لئے۔

2- ان کی جگہ کن باتوں نے لی جو خلاف اسلام تھیں؟

کہاں تک سنو گے' کہاں تک سناؤں' ایک بات ہو تو بتاؤں۔ یہاں کونسی بات ہے جو خلافِ اسلام نہیں ہے۔ اسلام کی جامع تعریف اگر قرآن کریم کو سامنے رکھ کر کی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کہتے کسے ہیں۔ منیر کمیٹی میں بیس علماء صاحبان بشمول مودودی مرحوم سے اسلام کی تعریف مانگی گئی۔ ہر ایک کا جواب دوسرے سے مختلف تھا' اس لئے کہ غلط تھا۔ کیونکہ صحیح جواب ایک ہی ہوتا ہے' اس لئے کہ درست ہوتا ہے۔ کسی ایک نے قرآنِ کریم سے جواب دینے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔

اپریل 96ء کے شمارہ میں شائع ہونے والے میرے مضمون کا صفحہ 49 اس قدر واضح اور دو ٹوک ہے کہ اس پر کسی سوال کی گنجائش ہی نہ تھی۔ فاضل مدیر محقق اگر مارکسزم کے فلسفے یا مارکس کے معاشی نظام کی تشریح جانتے ہیں تو اس کے لئے طلوعِ

اسلام کے صفحات کافی نہ ہونگے۔ مختصراً یہ کہ مارکس نے کہا تھا کہ نوع انسان کی مشکلات کا حل وہ معاشی نظام ہے جس میں :

1- ذرائع پیداوار ذاتی ملکیت کی بجائے معاشرہ کی تحویل میں رہیں اور

2- جس میں ہر فرد اپنی اپنی استعداد کے مطابق جان مار کر محنت کرے اور اس کی محنت کا ماحصل معاشرہ کی مشترکہ تحویل میں رہے' جہاں سے ہر فرد کو اس کی ضروریات کے مطابق ملنا چاہئے۔ مقصد یہ کہ نہ کوئی فرد اپنی ضروریات سے محروم رہے اور نہ کسی کے پاس ضرورت سے زائد بچے۔

یہ کچھ دیکھ کر اقبالؒ نے اس کے متعلق کہا تھا۔

زانکہ حق در باطل اُو مضمر است
قلبِ اُو مومن دماغش کافر است

اس کا سینہ مزدوروں' مفلسوں' بیکسوں' محنت کشوں اور محتاجوں کے لئے جل رہا تھا۔ وہ ان مشکلات کے لئے کسی انسانیت ساز نظام کا متلاشی تھا اس لئے اس کا دل مومن تھا لیکن اس کا فلسفہ یکسر باطل ہے جو ایک کافر دماغ کی پیداوار ہے۔

اس سوال کا جواب کہ مزدور اپنی محنت کا ماحصل معاشرے کے حوالے کیوں کرے' اُسے قرآن کی بارگاہ سے مل سکتا تھا جس کا وہ انکار کر چکا تھا۔ تفصیلات کے لئے میں جناب ڈاکٹر صاحب کو پرویزؒ صاحب کی تصنیف 'نظام ربوبیت' کے مطالعہ کا مشورہ دوں گا۔

تاریخ شاہد ہے کہ مارکس نے اپنا معاشی پروگرام کسی فلسفے کی بنیاد پر نہیں (کہ فلسفہ تو ان کے پاس تھا ہی نہیں) بلکہ ڈنڈے کے زور پر نافذ کیا تھا۔ اس میں کوئی (Incentive) نہ تھا۔ اس کے لئے چند حوالے کافی ہوں گے۔ 1920ء میں لینن کہتے ہیں۔

"اس حقیقت کو اب ہر ایک نے محسوس کر لیا ہوگا کہ بالشویک' اڑھائی سال تو کیا اڑھائی ماہ تک بھی برسراقتدار نہیں رہ سکتے تھے اگر ہماری پارٹی میں تشدد اور صحیح معنوں میں فولادی ڈسپلن قائم نہ رکھا جاتا"

اسی سال یوتھ کمیونسٹ لیگ کی تیسری کانگرس کو خطاب کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں۔

"ہم ان تمام ضوابطِ اخلاق کو مسترد کرتے ہیں جو کسی مافوق الفطرت (یعنی وحیٔ خداوندی) کے پیدا کردہ ہوں ------- ہمارا ضابطۂ اخلاق محنت کشوں کی طبقاتی جنگ کے مفاد کے تابع ہے ------- ہم کسی ابدی صداقت کے قائل نہیں۔

(مارکس) انجلز مارکسزم صفحہ 465)

قرآن کا مکافاتِ عمل کا تصور اس کے سامنے ہوتا تو اپنے پروگرام کے لئے جذبۂ محرکہ تلاش کرنے میں مارکس کو مشکل پیش نہ آتی۔

میری طرف سے ایک بات۔ (مدیر محترم کی طرف سے)

پاکستان کے زوال کا سبب :

(الف)

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

(ب) قائداعظم وڈیروں کا سربراہ تھا۔ ان کے سپرد ہی پاکستان کر گیا۔ پھر تعجب کیا ہے کہ وہ نزع کی حالت میں ہے۔ پاکستان کے ایک آزاد اسلامی مملکت کے تصور نے' اسے قوم میں ہردلعزیز کیا' مگر اس نے قوم کا حق ادا نہیں کیا۔

(ج) اقبال نے پاکستان یعنی تقسیم ہند کا نظریہ نہیں دیا۔ اس نے کہا تھا ہندوستان میں ایک طاقتور مسلم علاقہ' ہندوستان کے باہر نہیں۔ اس کا خطبہ پڑھیں۔

بات آپ نے ایک نہیں کہی۔ یہ تین ہیں۔ اور وہ بھی کسی حوالے کے بغیر جسے ہم مدیر محقق جیسی شخصیت کے شایان شان نہیں سمجھتے۔ آپ نے نہ تو اس خشت کی نشاندہی کی ہے جو پاکستان کی کج روی کا باعث بنی اور نہ ہی قائداعظم کے وڈیرے ساتھیوں کا تعارف کرایا ہے جو وطنِ عزیز کو حالت نزع تک پہنچانے کے ذمہ دار قرار پائے۔

تحریکِ پاکستان کی طویل جنگ اور اس جنگ میں اپنوں بیگانوں کی ریشہ دوانیوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف اتنا عرض کروں گا کہ پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ قائداعظمؒ نے نہ کچھ کھویا نہ گنوایا۔ ایک آزاد مملکت حاصل کی اور اس میں آنے سے نہ حسین احمد مدنی کو روکا نہ علامہ مشرقی کی جماعت کے لئے کوئی رکاوٹ ڈالی۔ مولانامودودی مرحوم اپنی جماعت کے ساتھ تشریف لائے۔ کچھ وڈیرے پہلے سے یہاں موجود تھے' کچھ بھارت سے آگئے۔ فتح مکہؐ کے بعد تاریخ کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ ایک نئی مملکت وجود میں آئی اور اس میں آنے کے لئے نہ کسی دشمن کو روکا گیا نہ نظریۂ پاکستان سے اختلاف کرنے والوں پر کسی قسم کی پابندی عائد کی گئی۔

14 اگست 1947ء کو قائداعظمؒ نے آزادی حاصل کی۔ نئی مملکت کی بنیاد رکھی گئی' اور 13 ماہ بعد 11 ستمبر 1948ء کو اسے قوم کے حوالے کر کے وہ راہیٔ ملکِ عدم ہوئے۔ اس تیرہ ماہ میں وہ کونسی لوٹ مار تھی جو بقول آپ کے آپ وڈیروں کے سربراہ کے دامن میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ کونسی کوتاہی تھی جو ان تیرہ ماہ میں قائداعظم سے سرزد ہوئی؟ قوم کا وہ کونسا حق تھا جو قائداعظمؒ نے ان تیرہ ماہ میں ادا نہ کیا؟ جناحؒ کے پاس نہ جادو کا چراغ تھا' نہ ہی کوئی دوسری غیبی طاقت جو اس نوزائیدہ مملکت کو راتوں رات اسلامی فلاحی مملکت بنا دیتی۔ فلاحی مملکت بنانا کٹھن سہی' مگر 50 سال گذر گئے' مذہبی پیشوایت جن میں علامہ مشرقی' مولانا مودودی' مولانا فضل الرحمان اور انہی کے پائے کے بڑے بڑے جید علماء محقق' مدبر' مفسر شامل رہے ہیں' آج تک قرآن و سنت کی متفق علیہ تعریف تو پیش کر نہیں سکے اور الزام یہ ہے کہ قائداعظم نے ایک نعرہ لگا کر ہردلعزیز ہونے کا طغرہ تو حاصل کر لیا لیکن پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کا حق ادا نہیں کیا۔ کہتے ہیں نفرت' حقارت اور دشمنی کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔ بہرحال کسی پر ہی کیا موقوف' یہاں تو بسیار خوری سے کسی کے پیٹ میں درد ہو جائے تو ذمہ داری قائداعظمؒ پہ ڈال دی جاتی ہے کہ نہ وہ پاکستان بناتے نہ زیادہ کھانے کو ملتا اور نہ یہ پاپی پیٹ دُکھتا۔

آپ نے حضرت علامہ اقبالؒ' جسے آپ اپنی تحریروں میں رسمی آداب کا مستحق بھی نہیں سمجھے' کے تقسیم ہند کے نظریئے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا تھا۔ ہندوستان میں ایک طاقتور مسلم علاقہ نہ کہ ہندوستان سے باہر۔

پہلی بات تو یہ کہ اعتراض کرنے سے پہلے آپ کو ان کے خطبے کا Text دینا چاہئے تھا۔ چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ 'محقق' کی ہر بات تحقیق شدہ ہوتی

ہے۔ آپ نے خود ہی لکھا ہے ہندوستان میں ایک طاقتور مسلم علاقہ۔ جب اس علاقہ میں اپنی الگ سلطنت نہ ہوگی تو یہ "علاقہ طاقتور مسلم علاقہ" بنے گا کیسے؟

"محمد علی جناحؒ اور علامہ اقبالؒ کے تصور کے پاکستان" کے موضوع پر ہم اتنا کچھ لکھ چکے ہیں کہ ان کا پیش کردہ نظریۂ پاکستان جسے عرف عام میں دو قومی نظریہ کہتے ہیں اور جس کا صاف واضح اور دو ٹوک مطلب اللہ کی حکمرانی ہے' اب قوم کو ازبر ہو چکا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس نظریئے کے عملی نفاذ کی راہ میں کون لوگ حائل ہیں؟ یہ آپ جیسے محققین کا کام ہے۔ دین اسلام اور اللہ کی کتاب عظیم کے ان ازلی دشمنوں کی جو بندے اور خدا کی راہ میں حائل ہیں کھل کر نشاندہی کریں۔ ایسا کیجئے قوم آپ کی احسان مند ہوگی۔

کوئی جملہ بار خاطر ہو تو معذرت خواہ ہوں۔

نیاز مند: عبداللہ ثانی

حقیقت کا ترجمان

ماہنامہ **محقق**

زیر ادارت

لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر محمد ایوب خان

۲۹۴- توسیع کیولری گراؤنڈ
لاہور کینٹ فون 374487
نمبر ---- تاریخ 7-4-94

محترم عبداللہ ثانی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں نے آپ کا مضمون طلوع اسلام اپریل ۹۶ میں دیکھا۔ اشعاروں سے مضمون کو خوبصورت تو بنایا جا سکتا ہے مگر زیادہ ضروری ہے کہ اصل بات واضح ہو۔ میں ۴ سوال دے رہا ہوں اگر آپ چند روز میں جواب دیں

1- آپ نے لکھا کہ اسلام کا معاشی نظام مستقل دس سال رائج رہا۔ وہ کیا باتیں تھیں جو چالیس اور سو دس سال کو شرح ہو (نبوی زمانہ یا خلفاء کا زمانہ)

2- ان کی جگہ کن باتوں نے لیں جو خلاف اسلام تھیں۔

3- مارکس کی کن باتوں کی آپ یا اقبال تائید کرتے ہیں یعنی مارکس کا مذہب مومن کا تو کس طرح!

4- وہ وحی کی روشنی سے محروم تھا اس لئے ناکام ہوا۔ وہ باتیں کو دنیا کو بتا رہا جو [illegible] لکھیں۔

میری طرف سے ایک بات

پاکستان کے زوال کا سبب: خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

قائد اعظم جناح وڈیروں کا سربراہ تھا۔ ان کے سپرد جب پاکستان کر دیا گیا تو انہیں کیا یہ کہنا شروع کی حالت میں تھا۔ پاکستان کو ایک آزاد اسلامی مملکت کی صورت میں پیش کیا اور قوم میں ہر دلعزیز ہوا مگر کرنے کا کام کچھ نہ کیا۔

اقبال نے پاکستان یعنی تقسیم ہند کا نظریہ نہیں دیا۔ اس نے کہا تھا ہندوستان میں ایک خود مختار مسلم علاقہ ~~[illegible]~~ ہندوستان کا حصہ ہو۔

والسلام

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احمد حسین قیصرانی (لاہور)

طاہرہ

علامہ اسلم جیراجپوریؒ نے لکھا ہے'

''ہم سنا کرتے تھے کہ فارسی زبان سیکھنے کے بعد صرف چار کتابیں اچھی پڑھنے کو ملتی ہیں۔ (1) شاہنامہ فردوسی (2) مثنوی مولانا روم (2) گلستانِ سعدی (4) دیوانِ حافظ۔ مگر اب ''جاوید نامہ'' کو بھی اس فہرست میں شامل سمجھنا چاہئے جو معنویت اور نافعت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتی ہے''۔

''جاوید نامہ'' میں علامہ اقبالؒ نے پیر رومی کی معیت میں افلاک کی سیر اور مختلف سیاروں میں ارواح اور ملا مکہ سے ملاقات کے دوران حقائق اور عہدِ حاضر کے اہم سوالات و جوابات بھی شامل کئے ہیں اور آخر میں کتاب کا اصلی مقصود اختصار کے ساتھ ''نژادِ نو'' یعنی نئی نسل کو مخاطب کر کے سنا دیا ہے۔

ظاہر ہے' اقبالؒ نے جن ارواحِ جلیلہ و رذیلہ کو اپنی اس اہم کتاب میں جگہ دی ہے وہ کوئی معمولی نوعیت کی نہیں ہوں گی۔ سردست ان ارواح جلیلہ میں سے صرف ایک کا تعارف کرانا مقصود ہے جو انہیں فلک مشتری کی سیر کے دوران ملیں۔ یہ ارواح جلیلہ حلاج' غالب اور قرۃ العین طاہرہ کی ہیں جو جنت کے گرویدہ ہو کر نہیں بیٹھ گئے بلکہ گردش جاوداں کے اندر رہتے ہیں۔ غالب اور حلاج سے تو اکثر لوگ متعارف ہوں گے لیکن اقبالؒ نے قرۃ العین کو جو اتنا بڑا مقام دیا ہے اس پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی وہ خاتون اس قابل تھی۔

زرّیں تاج' ایران کے ایک بہت بڑے ملا صالح محمد کی بیٹی' ملا محمد تقی کی بھتیجی اور بہو تھی۔ ان کے شوہر ملا محمد بھی مشہور مذہبی پیشوا تھے۔ والدین کے ہاں اس نے مذہبی تعلیم حاصل کی اور سسرال کا ماحول بھی وہی قدامت پرستانہ تھا۔ وہ اس روایتی مذہبی تعلیم سے مطمئن نہ ہو سکی۔ چونکہ بے حد ذہین تھی اس لئے اسی تعلیم کے سبب سرکشی کے جراثیم اس کے ذہن میں در آئے اور یہ اُس اسلام سے برگشتہ ہو گئی جو وہ باپ اور چچا کے ہاں دیکھتی تھی۔

انیسویں صدی کے شروع میں ایران کے شیخ احمد احصائی نے کہا کہ ایک آنے والا آئے گا لیکن پہلے کچھ اور لوگوں کا ظہور ہوگا جو آنے والے کے لئے راستہ ہموار کریں گے۔ اس راستہ کا دروازہ انہوں نے اپنی ذات کو بتایا مگر وہ ''باب'' کے لقب سے مشہور نہ ہو سکے۔ احصائی کے جانشین سید کاظم 1843ء میں فوت ہوئے تو یہ تحریک تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

حاجی کریم خان کرمانی والی شاخ کریم خانی (یہ لوگ سرکار آغا بھی کہلاتے ہیں) حاجی مرزا شفیع تبریزی والی شاخ' جسے شیخی کہتے ہیں اور ملا حسین والی شاخ!

ملا حسین بڑے ہوشیار انسان تھے۔ انہوں نے تنہائی میں تین دن اور رات ایک نوجوان سید علی محمد شیرازی کو یہ باور کرانے میں صرف کئے کہ وہ خدا کا

برگزیدہ بندہ ہے۔ سید علی محمد شیرازی نے بالآخر مُلا حسین کی بات مان لی مگر پوری نہیں صرف آدھی۔ مُلا حسین ان کو مہدی بنانا چاہتے تھے مگر شیرازی نے مہدویت کا ''باب'' کہلانے پر اکتفا کیا اور ان کے مرید ''بابی'' کہلاتے ہیں۔

باب کے مریدوں میں مرزا یحییٰ نوری (صبح ازل)، مرزا حسین علی نوری (بہاء اللہ) اور زریں تاج (**قرۃ العین طاہرہ**) شامل تھے۔ ان میں قرۃ العین سرتاپا انقلاب تھی۔ یہ روایتی مُلّا ازم سے اتنی تنگ آچکی تھی کہ کہیں سے نئی آواز اُسے ملتی تو یہ اُسے فوراً" دیکھتی۔ اس سلسلے میں اس نے کسی بھی قسم کی مزاحمت کا ذرا بھی خوف نہ کیا۔ جو بات اس نے سچ سمجھی۔ اس کے لئے زندگی بھر قربانیاں دیں۔

باب نے اس کو قرۃ العین کا لقب دیا اور چونکہ یہ نہایت بلند کردار کی مالک تھی، سو طاہرہ کے تخلص سے مشہور ہوئی۔ بلند پایہ شاعرہ اور بلا کی خطیبہ تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ بابی مذہب جتنا پھیلا ہے اس کا 90 فی صد ذریعہ قرۃ العین تھی تو بے جا نہ ہوگا۔ بابیوں کے ہاں کے ابتدائی نظریات سے متعلق یقیناً" کچھ کہنا تو خاصا مشکل ہے لیکن بہائیوں کے ہاں آگے چل کر ابہامتیں بڑی کھل گئی تھیں۔ وہ دو چیزیں بالخصوص سامنے لائے ہیں۔

1- عورت کی آزادی۔
2- شراب حرام نہیں ہے۔

لیکن قرۃ العین کے متعلق اس کے ہم عصر کہتے ہیں کہ وہ ان اباحتوں سے بالکل پاک تھی۔ اس سے نظر آتا ہے کہ باب نے جو طاہرہ کا تخلص اسے دیا تھا وہ اس کی پاکیزگی فطرت کی بناء پر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی 'انقلابی' بن ہی اس وقت سکتا ہے جب اس کے سیرت و کردار شفاف ہوں اور پھر عورت، عورت کے لئے معاشرے میں ویسے ہی جینا دوبھر ہے تو اس کا انقلاب برپا کرنا کیسے برداشت ہوگا۔ لیکن جن کا کردار بے داغ اور عزائم پختہ ہوں تو ان پر کوئی انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا۔ دراصل یہی چیز تھی کہ وہ ایران میں اتنا اثر کر گئی۔

1848ء کی بہدشت کنونشن میں بابی مذہب کو اسلام سے جداگانہ حیثیت دے دی گئی اور 1850ء میں علی محمد باب کو سزائے موت سنائی گئی۔ قلعہ کی دیوار سے رسیوں کے ذریعہ باندھ کر لٹکایا گیا۔ عیسائی فوجی دستہ نے گولیاں چلائیں۔ ہر طرف بارود کا دھواں پھیل گیا۔ جب دھواں تحلیل ہوا تو دیکھنے والے حیران رہ گئے کہ وہاں علی محمد باب کا کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے ہر شخص سکتہ میں آگیا کہ واقعی وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ ہوگا جسے اللہ نے اوپر اٹھا لیا ہے، لیکن ہوا یوں کہ گولیوں کی باڑ رسیوں پر لگی۔ باب نے دھوئیں کا فائدہ اٹھایا اور وہاں سے بھاگ نکلے مگر جس کمرے میں پناہ کے لئے داخل ہوئے وہ پہرہ داروں کا تھا۔ دوسری بار جب گولیاں چلائی گئیں تو نشانہ خطا نہ ہوا۔ دو سال بعد 1852ء میں قرۃ العین کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ بادشاہ ناصرالدین قاچار نے اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ طاہرہ نے اسے اپنے اشعار بھی سنائے اور مخاطب کر کے اپنا مسلک بھی بیان کیا۔ بادشاہ نے علماء سے جان بخشی کی سفارش کی۔

بگذارید کہ صورتِ زیبا دارد

(اگر کچھ اور نہیں تو اس وجہ سے معاف کر دیجئے کہ اس لڑکی کی صورت بہت اچھی ہے)

اور قرۃ العین سے کہا تمہارے جیسا جوہر

ضائع نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے لئے ایک ہی صورت ممکن ہے کہ تو اگر اپنے خیالات سے تائب ہو جائے تو میں تمہیں اپنے حرم میں داخل کر کے اول ملکہ بنا دیتا ہوں کہ تجھ سے بہتر ایران کی ملکہ کوئی نہیں ہو سکتی۔

یہاں پر قرۃ العین کے کردار کا امتحان تھا اور یہ بہت بڑا لغزش کا مقام تھا۔ اس نے اس پیشکش کو ٹھکرا کر کہا "ملکہ تو پھر بھی دوسرا درجہ ہی ہو سکتا ہے اگر تو تخت سے نیچے اتر کر مجھے یہ کہتا کہ آؤ یہاں آکر بیٹھ جاؤ تو میں پھر بھی اپنے مسلک سے ذرا بھی پیچھے نہ ہٹتی"۔ قرۃ العین نے بابی مذہب ترک کرنے سے انکار کر دیا اور علماء نے سزا معاف کرنے سے۔ چنانچہ اسے بڑی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ پہلے گھوڑے کے پاؤں کے ساتھ باندھ کر گھسیٹا گیا اور پھر اندھے کنویں میں زندہ پھینک دیا گیا۔ اس کی یہی قربانی تھی جس نے بہاء اللہ کو "بہاء اللہ" بنایا۔

اقبالؒ نے طاہرہ کو "جاوید نامہ" میں جگہ دے کر جو دوام بخشا ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے مُلّا کے معاشرے میں عورت ہو کر بغاوت کی۔ اس وقت آزادیٔ نسواں "emancipation of woman" کی جو تحریک دنیا میں چلی جا رہی ہے یہ سارا قرۃ العین کی قربانیوں کا صدقہ ہے۔ اس کی قربانیاں عورت کے متعلق دنیا کا تصور بدل گئی ہیں۔ یورپ میں عورتوں سے متعلق جو تحریکیں اٹھی ہیں وہ قرۃ العین کے بعد کی ہیں۔

افسوس صد افسوس کہ اسے قرآن تک رسائی نہ ملی اس لئے وہ ساحل ناآشنا طوفان بن گئی۔ البتہ اگر تاریخ کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس طوفان کی سخت ضرورت تھی۔ راستے میں جو اتنے بڑے بڑے سنگ گراں حائل تھے ان کو ہٹانے کے لئے ایسے ہی طوفان کی ضرورت تھی۔ اگر اس وقت قرآنی تعلیمات سے یہ آشنا ہو جاتی تو نہ معلوم کس قدر انقلاب آتا۔

یہ تھی وہ خاتون عجم! جو اقبال کو فلک مشتری کے سفر کے دوران نظر آئی۔ لباس سرخ' چہرہ روشن اور لب پر دردناک نالۂ فراق' نہ جانے طاہرہ کے دلِ دیوانہ پر کیا قیامت گذری اور نہ جانے وہ کون سا عالمِ سرشاری تھا جس میں اس نے ایسے پرمسرت مگر خوش آہنگ شعر کہے جو نالہ کا نالہ ہیں اور نغمہ کا نغمہ۔ "نوائے طاہرہ" کے مطلع اور ہر دوسرے مصرع میں سہل اور سادہ الفاظ کو بائے مفتوحہ کے ساتھ ملا کر اس پُرکاری اور چابک دستی سے دہرایا ہے کہ سماں بندھ جاتا ہے۔

"نوائے طاہرہ"

گر بتو افتدم نظر چہرہ بہ چہرہ روبرو
شرح دہم غمِ ترا نکتہ بہ نکتہ موبمو!
از پئے دیدن رُخَت ہمچو صبا فتادہ ام
خانہ بخانہ دربدر کوچہ بکوچہ کو بکو!
می رود از فراقِ تو خونِ دل از دو دیدہ ام
دجلہ بدجلہ یم بہ یم چشمہ بچشمہ جو بجو!
مہر تیرا دل حزیں بافتہ برقماشِ جاں
رشتہ بہ رشتہ نخ بہ نخ تار بہ تار پو بہ پو!

مقطع میں خود طاہرہ غزل پڑھنے والے کو ہمراہ لے کر اپنے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے۔

در دل خویش طاہرہ گشت و ندید جز ترا
صفحہ بہ صفحہ لا بہ لا پردہ بہ پردہ تو بہ تو !

طاہرہ نے اپنے دل کا چکر لگایا وہاں تیرے سوا کچھ نہیں رکھا۔ ہر صفحہ پر ہر تہہ میں اور ہر پردہ میں تو ہی تو موجود ہے۔

اگرچہ اس غزل میں انقلابی طاہرہ نظر نہیں آتی لیکن اس کی ایک جھلک ذرا آگے چل کر دیکھی جا سکتی ہے' جہاں وہ کہتی ہے۔

از گناہِ بندۂ صاحب جنوں
کائناتِ تازہ آید بروں

اقبالؒ نے یہیں سے یہ شعر لیا ہے

اگر دستِ تو کارِ نادر آید
گناہِ ہم اگر باشد ثواب است

صاحب جنوں کے دیوانہ وار کام سے ہی دراصل ایک نئی کائنات وجود میں آتی ہے۔ "جنونی" ہی انقلاب کے داعی بن سکتے ہیں۔

شوق بے حد پردہ ہا را بر درد
کہنگی را از تماشا می برد

جبؐ شوق اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر پردوں کو پھاڑ دیتا ہے اور منظر کے اوپر قدامت پرستی کا جو غبار پڑا ہوتا ہے اسے صاف کر کے رکھ دیتا ہے لیکن یہ کام صرف صاحب جنوں ہی کر سکتا ہے۔ اس کو غالب نے بھی خوب نبھایا ہے۔

رقتم کہ کہنگی زتماشا بر افگنم
در بزم رنگ و بو نمط دیگر افگنم

تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر
بگدازم آبگینہ و در ساغر افگنم

یا پھر

نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

آخر از دارو رسن گیرد نصیب
برنگردد زندہ از کوئے حبیب

جب کوئی کوئے حبیب میں جاتا ہے تو پھر وہ وہاں سے زندہ واپس نہیں آتا۔ جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے۔ فیضؔ نے یہیں سے لیا ہے۔

جلوہ او بنگر اندر شہر و دشت
تا نہ پنداری کہ از عالم گذشت

یہ نہ سمجھو کہ وہ دنیا سے چلا گیا۔ اس کا جسد بے شک یہاں سے چلا گیا لیکن اس کی شہرت' تذکرے اور چرچا چاردانگِ عالم میں پھیل جاتا ہے۔ کیا ایسا شخص بھلا مر جاتا ہے؟

در ضمیرِ عصرِ خود پوشیدہ است
اندریں خلوت چساں گنجیدہ است

وہ اپنے زمانے کے ضمیر کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ وہ زمانے کی ضمیر کے اندر کس طرح سما جاتا ہے وہ تو اس کے اندر سمو نہیں سکتا۔ اتنی عظیم شخصیت اپنے زمانے کے ضمیر کے اندر کیسے سما سکتی ہے وہ تو پھوٹ پھوٹ کر باہر آجاتی ہے کہ وہ زمانے سے بہت آگے ہوتی ہے۔

ملاحظہ فرمایئے کہ کیسے کیسے جوہروں سے آراستہ شخصیتیں' قرآن کی بارگاہ سے محروم رہ کر' زمانہ کی گرد میں کھو گئیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خان افضل آفریدی (خیبر ایجنسی)

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا" ولا تفرقوا

قرآنِ مجید نے مسلمانانِ عالم کو دین کا اصل الاصول بتا دیا- یعنی تم سب کے سب مل کر اس ضابطۂ خداوندی کو مضبوطی سے پکڑے رہو' اور فرقوں میں مت بٹ جاؤ- کیونکہ اسی میں تمہاری سربلندی کا راز مضمر ہے' اور یاد رکھئے ضابطۂ خداوندی زمان و مکان اور حدود قیود کے امتیازات سے ماورا ہے- اس میں زندگی کی وہ ابدی اور مستقل اقدار ہیں- جن میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا- **لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ** (10/64) **واعتصموا** میں جمع کے صیغے (تم سب) اور **جمیعا**" کی تخصیص سے یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ 'دین' خدا اور بندے کے درمیان انفرادی تعلق کا نام نہیں کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھے اپنے اپنے انداز سے "گیان دھیان" کے ذریعے خدا سے لَو لگا لے' اور اس طرح اپنی مکتی (نجات) کا سامان پیدا کرلے- "دین" اجتماعی نظام زندگی کا نام ہے' جس میں تمام افراد ایک ناقابلِ تقسیم وحدت سے رہتے اور ایک طریق پر چلتے ہیں- ان کی وجہ جامعیت بھی دین کا اشتراک ہے- اسی سے یہ سب ایک امت بنتے ہیں-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (2/143) جمیعاً نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ اس دین کے مطابق زندگی اسی صورت میں بسر ہو سکتی ہے جب پوری کی پوری امت ایک ہی طریق پر چل رہی ہو- اگر اس میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے اور ہر فرقے نے ایک جداگانہ طریق کی پیروی اختیار کر لی' تو دین باقی نہیں رہ سکتا- **لا تفرقوا** کے حکم نے اس حقیقت کو اور بھی نمایاں کر دیا- **واعتصموا** میں امر (حکم) تھا- یعنی یہ کرو اور **لا تفرقوا** میں نہی ہے- (کہ یوں نہ کرو) اور یہ ظاہر ہے کہ جس بات کو امر اور نہی مثبت اور منفی کی حدود میں گھیر کر بیان کیا جائے- اس میں نہ کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے' نہ مزید تاکید و تائید کی ضرورت- **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا** (3:102) ایک جامع اصولِ زندگی ہے- جس میں کسی اختلاف یا استثناء کی قطعاً" گنجائش نہیں-

قرآن نے یہ بھی بتا دیا کہ یہ کوئی نیا اصولِ زندگی نہیں' جو تمہیں پہلی بار دیا جاتا رہا ہے- یہی اصول ہے جو آج تک ہر نبی کی وساطت سے دیا جا رہا ہے- **شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى** اللہ نے اسی دین' نظامِ زندگی کا راستہ تمہارے لئے کھول دیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا- وہی دین اب تمہاری طرف وحی کیا جاتا ہے- اس کا حکم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا ہے- یہ حکم کیا تھا؟ یہی کہ **اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ** (42:13) تم سب اسی دین کو قائم کرنا' اور اس میں کسی قسم کا تفرقہ نہ پیدا کرنا-

یہی وہ دین کی وحدت اور تفرقہ سے اجتناب تھا، جس کی (21/92 ،23/52) بدولت تمام انبیاء کرام (زمان و مکان کے اس قدر بُعد اور اختلاف کے باوجود) ایک اُمّتِ واحدہ بن گئے تھے۔ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ اے گروہ انبیاء! یہ تمہاری جماعت امت واحدہ ہے۔ تمہاری وجہ جامعیت یہ ہے کہ تم سب کا میں نشوونما دینے والا ہوں۔ یہاں اس حقیقت کو نمایاں کیا گیا ہے کہ جب تک دین ایک رہے گا امت بھی ایک رہے گی۔ یا جب تک امت ایک ہوگی اس کا دین بھی ایک ہوگا۔ جب امت میں تفرقہ پڑ جائے گا تو دین بھی ایک نہیں رہے گا۔ الگ الگ ہو جائے گا اور چونکہ دین ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے، اس لئے الگ الگ "دین" کے معنی یہ ہیں، کہ اصل دین کہیں باقی نہیں کہ کسی قوم جماعت یعنی امت میں تفرقہ پیدا کر دینا کتنا بڑا جرم ہے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے جسے خدا نے سورہ "طٰہٰ" میں بیان کیا ہے۔ حضرت ہارونؑ اپنی قوم کو گئوسالہ پرستی سے نہیں روکتے اور اپنے بھائی موسیٰؑ کو کہتے ہیں۔ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ (20/94) "مجھے اندیشہ گذرا کہ تو آکر یہ نہ کہہ دے۔ کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا، اور میرے فیصلہ کا بھی انتظار نہیں کیا" قران نے خود فرقہ بندی (تفرقہ) کو شرک قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ گئوسالہ پرستی بھی شرک ہے اور تفرقہ انگیزی بھی شرک لیکن تفرقہ انگیزی کا شرک اتنا شدید اور سنگین تھا کہ گئوسالہ پرستی کو عارضی طور پر گوارا کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ قرآن اس پر شاید ہے کہ گئوسالہ پرستی کے جرم کا ازالہ توبہ سے ہو گیا۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (2/54) لیکن جب انہوں نے باہمی تفرقہ پیدا کیا۔ امت واحدہ مختلف گروہوں میں بٹ گئی۔ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا (7/168) تو ان پر تباہی اور بربادی، ذلت و خواری، محرومی اور محتاجی کا ایسا عذاب مسلط ہو گیا جو ہر جگہ سائے کی طرح ان کے پیچھے لگا رہتا تھا۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا (3/111) ہر رسول کا پیغام یہ تھا کہ "دین" کو قائم کرو اور باہمی تفرقہ مت پیدا کرو۔ ہر رسول اس پیغام کے ذریعے ایک جماعت۔ ایک امت متشکل کر کے جاتا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اس میں گروہ بندی شروع ہو جاتی۔ یہ کیوں ہوتا؟ قرآن اس کی وجہ بتاتا ہے۔ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ (17/25) (42/14) یعنی خدا کی طرف سے العلم (وحی) آجانے کے بعد جس کا مقصد تمام اختلافات کو مٹا دینا ہے، باہمی تفرقہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ لیکن اس وحی کے وارث، باہمی ضد اور حسد کی وجہ سے مختلف فرقے بنا لیتے تھے۔ یہ فرقہ سازی محض ہوس اقتدار کی تسکین کے لئے ہوتی تھی۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ پر غالب آجانا چاہتا اس سے باہمی کش مکش شروع ہو جاتی اور یوں اُمّتِ واحدہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ نتیجہ یہ کہ دین بھی اس شکست اور افتراق کے پردوں میں گم ہو جاتا۔ نزولِ قرآن کے وقت دنیائے مذاہب کی یہی کیفیت تھی۔ (واضح رہے کہ دین تو ایک ہی رہتا ہے۔ لیکن جب فرقہ بندی میں اس کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں تو انہیں مذاہب کہا جاتا ہے) قرآن نے اپنے نزول کا مقصد یہ بتایا ہے کہ وہ ان اختلافات کو مٹا کر خدا کا دین قائم کرے گا۔ فرقوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو ایک

امت واحدہ میں تبدیل کر دے گا۔ **وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لا** (16/64) "(اے رسول) تجھ پر یہ کتاب صرف اس لئے نازل کی گئی ہے کہ جن امور میں یہ لوگ باہمی اختلاف کرتے ہیں تو ان کی وضاحت کردے" اس کے بعد جو لوگ اس میں دینِ واحد کی صداقت کو تسلیم کر لیں گے یہ کتاب انہیں زندگی کے صحیح راستے کی طرف راہنمائی کرے گی اور اس طرح موجبِ رحمت بن جائے گی۔

معلوم ہوا کہ قرآن کا اولین مقصد اختلافات کو مٹا کر دین کی وحدت کا قیام ہے اور اختلافات کا مٹ جانا خدا کی رحمت ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت دوسرے مقام پر کر دی گئی۔ **وَلَوْشَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً** (11/118) قرآن پھر کہتا ہے۔ **وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ** دیکھنا تم بھی کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کی طرف سے واضح حقائق مل جانے کے بعد فرقے بنا لئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگ گئے۔ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** (3/104) فرقہ بند لوگوں پر سخت عذاب مسلط کیا جاتا ہے۔

قرآن نے مسلمانوں سے یہ بھی کہہ دیا کہ **وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** (30/31) "دیکھنا تم کہیں توحید پرست ہو جانے کے بعد پھر مشرک نہ بن جانا"۔ یہ ظاہر یہ بات ناقابل فہم تھی' کہ مسلمان ایک خدا پر ایمان لانے کے بعد پھر مشرک کس طرح بن سکتے ہیں؟ کیا یہ بتوں کو پوجنا شروع کر دیں گے۔ قرآن کہتا ہے کہ نہیں شرک بتوں کی پرستش ہی نہیں۔ بت پرستی تو شرک "جلی" (کم درجے کا شرک) ہے۔ (جیساکہ بنی اسرائیل کی گئوسالہ پرستی کے قصے میں دیکھ آئے ہیں) شرک "جلی" اور ہے۔ اس کی وضاحت میں بتا دیا کہ مشرک ہو جانے سے مطلب یہ ہے کہ **وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا**---- یعنی ان لوگوں میں نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈال دیا اور فرقے بن گئے۔ اس فرقہ بندی سے ہوتا یہ ہے کہ **كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ** -- (30/31-32) ہر فرقہ اس خیال میں مگن رہتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور باقی فرقے باطل پر ہیں۔ بہرحال قرآن نے امت واحدہ سے کھلے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر تم نے فرقے پیدا کر لئے تو یہ توحید نہیں شرک ہوگا' اور کوئی فرقہ یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہو سکے گا کہ ہم اصلی اور حقیقی اسلام پر قائم ہیں' اور دوسرے سب فرقے باطل پر ہیں۔ اسی بنا پر رسولؐ اللہ سے کہہ دیا گیا کہ **اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِىْ شَىْءٍ ○** (6/160) "جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر دیں' اور ایک فرقہ بن کر بیٹھ جائیں۔ اے' رسولؐ تجھے ان سے کوئی تعلق نہیں" یعنی فرقے بنانے والوں سے نہ خدا کا کوئی تعلق ہے اور نہ ہی خدا کے رسولؐ کا۔

رسولؐ اللہ کے زمانے میں بعض تفرقہ انگیزوں نے ایک نئی مسجد تعمیر کی تو قرآن نے جس شدت سے اس کی مخالفت کی۔ اس کا اندازہ سورۃ توبہ کی متعلقہ آیات سے لگ سکتا ہے۔ یعنی کہ وہ لوگ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتے تھے ، رسولؐ اللہ کو حکم ملا کہ تم اس مسجد مین ایک قدم بھی نہ رکھنا۔ چنانچہ رسولؐ اللہ نے صحابہ کو بھیج دیا اور

ضرار کو منہدم کرا دیا۔ اس سے انداہ ہوتا ہے کہ اسلام میں فرقہ بندی کس قدر سنگین جرم ہے۔ مسجد گرائی جا سکتی ہے۔ لیکن فرقہ کی طرح نہیں پڑنے دی جاسکتی۔ کیونکہ فرقہ بندی نہ صرف یہ کہ شرک ہے بلکہ جلی شرک ہے۔

چنانچہ نبیؐ اکرمؐ نے اُمّتِ واحدہ کی تشکیل فرمائی۔ یہ وہ اُمّت تھی جس کا نظام ایک تھا۔ ضابطۂ زندگی ایک تھا۔ مرکز ایک تھا۔ دین ایک تھا۔ راستہ ایک تھا۔ نصب العین ایک تھا۔ اختلاف تھا نہ افتراق۔ اس کے بعد امت پر کیا گزری؟ تفصیل میں گئے بغیر قرآن کے الفاظ میں صرف اتنا سن لیجئے کہ **وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ** (42/14) جس طرح امم سابقہ نے وحی کے مل جانے کے بعد باہمی ضد اور سرکشی کے جذبے سے دین میں فرقے بنا ڈالے تھے۔ یہ بھی فرقوں میں بٹ گئی۔

قرآن کے اس طرح واضح، بین اور صریح احکام وہدایات تنبیہات اور تاکیدات کی موجودگی میں امت کا فرقوں میں بٹ جانا یقیناً ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ امت فرقوں میں بٹی اور یہ فرقے اب تک موجود ہیں۔

عرصہ ہوا پنجاب میں ایک جماعت پیدا ہوئی جس کا دعویٰ یہ تھا، کہ وہ خالص قرآن پر عمل کرے گی، اور اس طرح مسلمانوں میں پیداشدہ اختلافات کو مٹا دے گی۔ یہ مقصد بڑا نیک اور یہ دعویٰ بڑا مبارک تھا۔ لیکن اس کا جو عملی نتیجہ ہمارے سامنے آیا وہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ اس سے سابقہ فرقوں کا مٹانا تو کجا ان میں ایک اور فرقے "اہلِ قرآن" کا اضافہ ہو گیا۔

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرقوں میں بٹنے والے اپنی اس روش کے جواز میں کوئی دلیل تو پیش کرتے ہونگے؟ جی ہاں! وہ کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ "اِختلافُ امتی رحمۃٌ" (میری امت میں اختلاف رحمت ہے) آپ نے سوچا کہ یہ بات کیا ہوئی؟ یعنی وہ اختلاف جس کے متعلق قرآن نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ وہ خدا کا عذاب ہے، باعث کفر ہے۔ شرک ہے۔ اسی اختلاف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ نے اسے باعث رحمت قرار دیا ہے۔ یہ ناممکن ہے!

زمانہ ہوا جب مرزائیوں پر اعتراض کیا گیا کہ انہوں نے ایک نیا فرقہ بنا کر امت میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔ جواباً" انہوں نے کہا کہ اگر ان کے کسی عمل سے امت میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو امت کو ان کا شکرگزار ہونا چاہئے، نہ کہ شکوہ سنج۔ اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "اختلافِ امتی رحمتہ" ہمارا یہ نیا فرقہ امت کے لئے مزید رحمتوں کا باعث ہے۔ اس کے جواب میں (جمعیتِ اہلِ حدیث) کے ترجمان "الاعتصام" (مورخہ 2 اگست 1957ء) کو مجبوراً" کہنا پڑا کہ اختلاف امتی رحمتہ کوئی حدیث ہی نہیں۔ اس لئے اسے سند میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اب اس فقرے کو حدیث نہ قرار دینے سے کیا حاصل! اس نے جس قدر تباہی مچانی تھی گذشتہ ایک ہزار برس میں مچا دی۔ اس نے امت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ **سلطنتیں** تباہ ہوئیں۔ مسلمانوں کی شوکت و عظمت مٹ گئی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس حدیث کو وضعی قرار دینے کے باوجود اسے گروہ بندی کے جواز میں برابر پیش کیا جاتا ہے۔

اختلاف امتی رحمتہ میں ایک سقم ہے وہ یہ کہ اس کی رو سے تمام فرقے موجب رحمت یعنی حق پر قرار پا جاتے ہیں۔ لہٰذا اس سقم کو دور کرنے کے لئے ایک اور حدیث وضع کی گئی۔ جس میں کہا گیا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میری امت میں تہتر فرقے ہونگے۔ ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ باقی سب جہنمی ہونگے۔ آپ نے غور فرمایا کہ اس میں ایک فرقہ کی استثناء نے کس طرح ہر فرقہ کو مطمئن کر دیا کہ وہ حق پر ہے۔ باقی سب باطل پر ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے یہ کہہ کر کہ **كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ** اس چور دروازے کو بند کر دیا تھا۔

پس چہ باید کرد؟

1- فرقے صرف اسلامی نظام میں مٹ سکتے ہیں!

2- اسلامی نظام کے معنی ہیں۔ ایک ایسی مملکت کا قیام جو قرآنی اصولوں کے مطابق وجود میں آئے اور جس کا تمام کاروبار قرآنی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے۔

3- اس مملکت کی طرف سے جو قوانین نافذ ہونگے۔ ان کا اطلاق مملکت کے تمام مسلم باشندوں پر یکساں ہوگا۔ اس میں نہ کوئی فرقہ ہوگا۔ نہ کسی فرقہ کی الگ فقہ۔ قرآن سب کا ضابطہ قوانین ہوگا۔ اس کا عملی مفہوم یہی ہے کہ اسلامی نظام صرف اس قوم میں ہو سکتا ہے۔ جو مندرجہ بالا اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اسلام لائے گی۔ خواہ وہ موجودہ مسلمانوں میں سے ہوں۔ اور خواہ پہلی بار اسلام لائے۔ قرآن کا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ ءَامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَٱلْكِتَٰبِ ٱلَّذِى نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ** (4/136) (اے لوگو! تم ایمان لاؤ اللہ پر' اس کے رسول پر' اور اس کتاب پر جسے خدا نے اپنے رسول پر نازل کیا تھا)۔ یہ ازسرِنو ایمان لانا درحقیقت فرقہ وارانہ زندگی کو خلافِ اسلام تسلیم کرکے' قرآنی نظام کے قیام کی طرف پیش رفت کے لئے قدم اٹھانا ہے۔ یہ مرحلہ بڑا دشوار گذار نظر آتا ہے۔ لیکن اس کے سوا احیائے اسلام کی کوئی صورت نہیں۔ اگر ہم اپنی موجودہ زندگی کو اسلامی کہہ کر اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں۔ تو اس سے ہماری زندگی "اسلامی" نہیں ہو جائے گی۔ اسلامی زندگی کے لئے "امت واحدہ" جس میں کوئی فرقہ نہ ہو بنیادی شرط ہے۔ اور یہ صرف قرآنی مملکت میں ممکن ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

پرچہ کی ترسیل کے متعلق خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔
جواب طلب امور کے لئے جوابی لفافہ بھیجے۔

پرچہ نہ ملنے کی اطلاع خریدار ماہ رواں کی پندرہ تاریخ تک بھیج دیں۔ اس صورت میں ہی پرچہ دوبارہ بھیجا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شائستہ اشرف (سرگودھا)

(بچوں کا صفحہ)

اپنی محنت کی کمائی

پیارے بچو ! لو سنو ! آج میں تمہیں ایک کہانی سناتی ہوں۔ یہ کہانی ایک فضول خرچ اور محنت سے جی چرانے والے لڑکے نعیم کی ہے۔ نعیم کا ابّو اس کی ان عادتوں سے بے حد پریشان تھا۔ وہ اسے سمجھاتا لیکن نعیم اپنے ابّو کی باتیں ایک کان سے سنتا اور دوسرے کان سے اُڑا دیتا۔ تنگ آکر اس کے ابّو نے ایک دن اسے ڈانٹا اور حکم دیا کہ آج کے بعد تم مزدوری کرو گے اور اس میں سے کم از کم ایک روپیہ ہر روز مجھے دو گے۔

نعیم اگرچہ بگڑا ہوا بچہ تھا لیکن تھا بڑا ذہین۔ ابّو کے گھر لوٹنے سے پہلے اس نے ایک روپیہ اپنی امّی سے لیا اور ابّو کو تھما دیا۔ ابّو نے کہا شاباش ! بہت اچھا۔ اب یوں کرو کہ یہ مسجد والے کنویں میں پھینک آؤ۔ نعیم بھاگ کر گیا اور روپیہ کنویں میں پھینک آیا۔ ادھر ابّو نے اس کی امّی کو منع کر دیا کہ آئندہ نعیم کو جیب خرچ نہ دیا جائے۔ نعیم کے لئے اب مشکل پیدا ہو گئی۔ کچھ دن اس نے دوستوں سے ادھار لے کر اپنا کام چلایا لیکن جب دوستوں نے بھی انکار کر دیا تو اسے فکر لاحق ہوئی۔ اس نے سوچا مزدودی تو اب کرنی ہی پڑے گی۔ مزدوری کی تلاش میں نکلا تو یہ دیکھ کر اسے خوشی ہوئی کہ کام کرنے والے کے لئے کام حاصل کرنا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ پاس ہی ریلوے سٹیشن تھا۔ وہاں ایک ٹھیکے دار کے پاس اسے کام مل گیا۔ دن بھر محنت کی۔ شام کو پانچ روپے مزدوری ملی۔ آج وہ بہت خوش تھا۔ اپنی اس خوشی میں اپنے امّی ابّو کو شامل کرنے کے لئے سارے کے سارے پیسے ابّو کے سامنے رکھ دیئے۔ ابّو نے وہی پرانا حکم دہرایا کہ جاؤ اور یہ روپے کنویں میں پھینک آؤ۔ یہ سن کر نعیم کو دکھ ہوا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ امّی کی طرف دیکھا

اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ امّی آپ کو معلوم ہے یہ پیسے میں نے کتنی محنت سے کمائے ہیں۔ سارا دن کام کیا ہے۔ یہ دیکھیں میرے ہاتھوں پر گٹے گئے ہیں اور ابّو کہتے ہیں' سارے پیسے کنویں میں پھینک آؤ۔ امی نے نعیم کو گلے لگایا۔ پیار کیا اور سمجھایا کہ دیکھو بیٹا دانا کہتے ہیں "مالِ مفت دلِ بے رحم"۔ جب پیسے تمہیں مفت مل جاتے تھے تو ان پیسوں کو کنویں میں پھینکنے کا تمہیں ذرا دکھ نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ تمہارے دل میں ان پیسوں کی قدر نہ تھی۔ آج یہی پیسے تم نے اپنی محنت سے کمائے ہیں تو تم ان میں سے ایک پیسہ بھی ضائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہو۔ آج کے بعد تم جو کچھ کماؤ گے میں تمہارے گلّے میں ڈالتی جاؤں گی اور جب کافی پیسے جمع ہو جائیں گے تو تم اپنا کاروبار کر سکو گے۔ نعیم نے ایسا ہی کیا۔ جانتے ہو بچو! یہ نعیم کون ہے۔ یہ نعیم وہ سامنے والی بلڈنگ کا مالک ہے۔ یہ بلڈنگ اس نے اپنی حق حلال کی کمائی سے بنائی ہے۔ اس کے والدین اب بوڑھے ہو چکے ہیں وہ ان کی دل و جان سے خدمت کرتا ہے۔ کئی غریب بچوں کی تعلیم کا خرچ اس نے اپنے ذمّہ لے رکھا ہے اور ہر بچے کو دل لگا کر تعلیم حاصل کرنے اور فالتو وقت میں محنت مزدوری کرنے یا اپنے ماں باپ کا ہاتھ بٹانے کی نصیحت کرتا ہے۔ ہمارے نبیؐ اکرمؐ کا فرمان ہے کہ **الکاسب حبیب اللہ**

"اپنی محنت سے کمائی کرنے والا اللہ کا دوست ہوتا ہے"

KINDLY MAKE SURE
YOUR SUBSCRIPTION
IS NOT UNPAID

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک حنیف وجدانی

بت خانے میں

حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے کہا تھا۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

لیکن آج بت خانے میں بتوں کی تعداد اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ انہیں گننا بھی مشکل ہو گیا ہے۔

محترم ملک غلام نبی صاحب روزنامہ جنگ راولپنڈی کی 29 جون 96ء کی اشاعت میں اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

"آج ساری فضا آہ و فغاں کی زد میں ہے۔ تمام سیاسی اور انسانی قدریں دولت کے ہاتھوں پامال اور برباد ہو رہی ہیں۔ دولت کا بت اتنا مضبوط اور طاقتور بن چکا ہے کہ اس نے بے شمار بتوں کو مختلف فرائض سرانجام دینے کے لئے مقرر کر رکھا ہے' جو مندرجہ ذیل بتوں کی نگہداشت کر رہے ہیں۔

جاگیرداروں کا بت' سمگلروں کا بت' تجارت کا بت' رہزنوں کا بت' ڈاکوؤں کا بت۔ برادریوں کا بت' رشوت خوروں کا بت۔ سرکاری اور واجبات لوٹنے والوں کا بت۔ کس کس بت کا ذکر کروں"

روزنامہ جنگ راولپنڈی نے اسی روز اپنے ادارے میں لکھا کہ "ایڈیشنل آئی جی پولیس طارق کھوسہ نے اگلے روز عالمی یوم انسداد منشیات کے موقع پر ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ڈرگ مافیا ارکان اسمبلی کی سفارشوں سے پولیس میں داخل ہو چکا ہے۔ اور اس وقت پاکستان میں 30 لاکھ سے زائد افراد ہیروئن کے عادی بن چکے ہیں"

مزید یہ کہ "گوجرانوالہ اور کاموکے میں ہونے والے بم دھماکوں کے زخمیوں کے بارے میں یہ اطلاع بھی منظرعام پر آچکی ہے کہ یہ چیک متعلقہ بنکوں نے کیش کرنے سے انکار کر دیا' اور کہا کہ جب تک زکوۃ فنڈ کے پیسے نہیں آتے۔ چیک کیش نہیں ہونگے"

روزنامہ جنگ کے اسی شمارے میں محترم عبدالعزیز خالد صاحب اپنے مضمون میں ایک متحرک بت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر جمہوریت اسی کا نام ہے کہ حاضر حکومت کو بلیک میل کیا جائے اور ملک کی آبادی کو یرغمال بنا لیا جائے تو ایسی جمہوریت کو اوڑھیں' بچھائیں یا لپیٹیں' کیا کریں۔ ان بے خبروں کو خبر نہیں کہ

"پیاسوں کی نظر سے بال پڑ جاتا ہے ساغر میں"

وہ مزید لکھتے ہیں۔

جب گریباں گیر ہو جاتا ہے ٹھکرایا ہوا
سوچتا ہے تب ہر اک ظالم ارے یہ کیا ہوا؟

اس متحرک بت کو ٹھوکر لگاتے ہوئے محترم پروفیسر سجاد قادری صاحب نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ 3% مراعات یافتہ طبقہ 97% کی اکثریت پر

حکومت کر رہا ہے وہ لکھتے ہیں۔

اتنی بھاری مگر مظلوم اکثریت اگر اتنی کم مگر ظالم اقلیت کے سامنے خاموش ہے تو شاید ان کی مدد کرنا خدائی سنت کے بھی خلاف ہو۔

بقول ڈاکٹر فقیر محمد فقیر۔

"اپنے جو گا جو نئیں' نئیں اسدے جوگا کوئی"

حل اس کا وہ یہ بتاتے ہیں کہ

"جب 97% محروم طبقہ کا ہر فرد 3% مراعات یافتہ طبقہ کی ہر منفی حرکت پر سراپا احتجاج ہوگا تو منزل خود ہمارے قدموں میں آجائے گی"۔

آپ نے بت خانے میں بتوں کا تجزیہ دیکھا۔ یہ بت خانہ یوں ہی آباد رہے گا۔ 97% کی مظلوم اکثریت 3% کے ظالم مراعات یافتہ طبقہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ کیونکہ ان 97% کے ہاتھوں میں کتاب انقلاب نہیں۔ اور کمی یہ رہ گئی کہ قرآن کے مطابق ان کا تغیر نفس نہیں ہوسکا۔ سچ پوچھیں تو قرآن سے فائدہ بھی ظالم ہی اٹھا رہا ہے۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس راولپنڈی رینج۔ طلعت محمود طارق نے کہا کہ

"مری' راولپنڈی میں قرآن پاک کے حرمتی کے واقعات 13 اور 24 جون کی ہڑتالوں کو کامیاب بنانے کے لئے کئے گئے"

(جنگ راولپنڈی 29 جون ۱۹۹۸ء)

آپ اندازہ فرمائیں کہ قرآن پاک کے نسخوں کو کن ناپاک منصوبوں کے لئے پامال کیا جا رہا ہے۔ کیا ہم سب کے لئے یہ باعث شرم و ندامت نہیں کیا ہم تباہی کے گھڑے تک نہیں پہنچ گئے؟

دوستو! وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ تغیر نفس کا عمل اپنائیں اور قرآن کی روشنی پھیلانے میں کوتاہی نہ کریں۔ ورنہ یاد رکھئے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کرتی نہیں کبھی ملت کے گناہوں کو معاف

رابطہ

مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ کی تصانیف' درس قرآن (آڈیو۔ ویڈیو کیسٹس) کے حصول اور ترسیل زر کے لئے ایڈریس نوٹ فرما لیجئے۔

ایڈریس :-
طلوع اسلام ٹرسٹ
25 بی گلبرگ 2' لاہور۔ 54660
فون : 5764484
فیکس : 92-42-876219

بنک اکاؤنٹ :-
حبیب بنک لمیٹڈ
مین مارکیٹ گلبرگ برانچ' لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 4107-35

طلوع اسلام ٹرسٹ

پاکستان میں

علامہ غلام احمد پرویزؒ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
1- ایبٹ آباد	234 کے- ایل کیہال- رابطہ: شیخ صلاح الدین	ہر روز	عند الطلب
2- ایبٹ آباد	234 کے- ایل کیہال- رابطہ: مسز گل بہار	منگل	3 بجے
3- ایبٹ آباد	K/355 کنج روڈ- رابطہ: غلام مصطفیٰ اعوان	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
4- بورے والا	برمکان محمد اسلم صابر- مرضی پورہ گلی نمبر5- رابطہ فون:55438	پہلا اور تیسرا جمعہ	10 بجے صبح
5- پشاور	دفتر جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ- کابلی بازار- رابطہ: 840945	ہر بدھ و جمعہ	5 بجے شام
6- پشاور	برمکان ابن امین فقیر آباد	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
7- پیر محل	مکان نمبر140/139- مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا جمعہ	9 بجے صبح
8- پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	3 بجے سہ پہر
9- جہلم	برمکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد' جی- ٹی روڈ القلم سکول چک جمال روڈ- کالا گجراں	جمعۃ المبارک مہینے کا آخری جمعہ	4.30 بجے شام 9 بجے صبح
10- جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	10 بجے صبح
11- چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر مٹھہ بازار	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
12- چک 215 ای- بی	برمکان چوہدری عبدالحمید	جمعۃ المبارک	8 بجے صبح
13- حیدر آباد	گولڈن سینٹری' عثمان آباد	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
14- حیدر آباد	B-12 قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر
15- ڈی- جی خان	بلاک G- کچہری روڈ' رابطہ انیس الرحمان فون: 61519	جمعۃ المبارک	9 بجے صبح
16- رجانہ	برمکان چوہدری الیس- ایم صادق' مین بازار	ہر ماہ تیسرا جمعہ	10 بجے صبح
17- راولپنڈی	بمقام 4385/47-E اپر سٹوری ہائی وے آٹوز نزد پل لئی گوالمنڈی راولپنڈی فون: 74752	جمعۃ المبارک	4.30 بجے شام
18- سرگودھا	60- اے سول لائنز' ریلوے روڈ- رابطہ فون: 720083	جمعۃ المبارک	9 بجے صبح
19- سیالکوٹ	محمد افضل خلجی' ایبٹ روڈ- رابطہ فون: 263252	پہلا اور دوسرا جمعہ	8 بجے صبح
20- فیصل آباد	23- سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک- فون: 720096	ہر جمعۃ المبارک	3.30 بجے دوپہر
21- فیصل آباد	835/B سول کوارٹرز غلام محمد آباد رابطہ: ڈاکٹر طارق عزیز- فون: 680835	سوموار	4 بجے شام

شہر	مقام	دن	وقت
22- کراچی	کراچی سی بریز' روم نمبر105 شارع فیصل رابطہ شفیق خالد- فون: 0201-713575	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
23- کراچی	مکان 16 گلشن مارکیٹ' 36/C ایریا کورنگی 5 رابطہ: محمد سرور' فون: 312631	جمعۃ المبارک بروز پیر	11.30 بجے صبح بعد نماز مغرب
24- کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال- ایاز حسین انصاری رابطہ فون: 4571919	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
25- کوہاٹ	برمکان شیر محمد' نزد جناح لائبریری	جمعۃ المبارک	8 بجے صبح
26- کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ- رابطہ فون: 825736	جمعۃ المبارک	4 بجے سہ
27- گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ' سول لائنز	جمعۃ المبارک	بعد از نماز جمعہ
28- گجرات	مرزا ہسپتال' کچہری روڈ	جمعرات	3 بجے
29- لاہور	25- بی گلبرگ II (نزد مین مارکیٹ)	جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح
30- لاہور 1	ڈان ماڈل سکول' احباب کوآپریٹو سوسائٹی جوہر ٹاؤن لاہور	جمعرات	11 بجے قبل دوپہر
31- لیہ	رحمانیہ میڈیکل سنٹر	جمعۃ المبارک	بعد نماز مغرب
32- ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	جمعۃ المبارک	9 بجے صبح
33- مامون کانجن	برمکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک 509 گ ب	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
34- اوکاڑہ	برمکان میاں محمد سعید مکان 116 گلی 6 سیٹھ کالونی نمبر2 رابطہ فون: 3660	ہر جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح
35- واہ کینٹ	برمکان محمد داؤد' کوارٹر نمبر 19E/119	ہفتہ	3 بجے بعد دوپہر
36- رانی پور	گوطان ڈاکٹر سلیم سومرو سومرو محلہ رابطہ شفیع محمد سومرو	جمعۃ المبارک	بعد نماز عشاء

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی دستیاب ہے۔
تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے۔
جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائیگا۔

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درس قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
حیدر آباد	12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعۃ المبارک بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ، مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ:

ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر، بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)
ٹیلی فون: کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

اشتہارات کے نرخ یہ ہیں

ٹائٹل کے صفحات	ایک بار	سال بھر کیلئے
پشت پر	800 روپے	6000 روپے
اندرونی صفحات	600 روپے	5000 روپے
اندرونی صفحات		
پورا صفحہ	500 روپے	4000 روپے
نصف صفحہ	300 روپے	2000 روپے
چوتھائی صفحہ	150 روپے	

مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ اشتہار شائستہ اور معیاری ہونا چاہئے۔

PURDAH

BY SHAMIM ANWAR

"Purdah" obviously deals with man and woman relationship, their cooperation and coordination in a collective social living on this planet earth. But the strange thing is that even after thousands of years of experience, this problem of purdah remains controversial and it is not yet sorted out, if not in practice, then at least not in theory even.

As I understand, any change in values and attitudes takes place, first in the mind, an internal revolution within the human being, before it can manifest externally in ones behaviour and in the interaction of humans in a living society. If this change has not taken place, then even if a woman dons half a dozen "*chadars*" or "*burqas*" or what is today called "*hijab*" it will make no difference to the man; he is naturally aware that inside this padded paraphernalia is a woman, and that knowledge is enough to excite him. Similarly, a *burqa* clad woman is no guarantee that she is respectable and 'good'. Basically, it is all in the mind, not out there!!!

Let's face it once and for all, that Purdah means self-respect and respect for others,. the two go together. Once this is understood with all its implications, the rest automatically follows. Men and women, no matter where they are and what they are busy about, they should be dignified and smart. What is condemnable is exhibitionism. The whole thought-process is externalised in ones facial expressions, gestures, the tone and fluctuations of voice and ones gait. A *burqa* clad woman will draw more vulgar attention and curiosity with her exhibitionist behaviour than a dignified and self-respected non-*burqa* woman. In fact, in an emotionally immature and undeveloped society, more so in a sexually segregated society, marriages are more akin to legal prostitution, and in most cases the man is more of a rapist than a husband.

It may also be pointed out that the outward garb or dress varies according to climate, raw material available and style of life. It can also change to suit the changing environment, the change in life-style.

Above all, unless man is not disciplined and educated in sexual matters, as a woman is expected to be, "*hijab*" is meaningless. The Quranic values and restraints are equal for both men and women.

I.I.QAZI

PHILOSOPHY OF GIRHORI

[We take pride in introducing to our readers Late Allama I.I.Kazi (April 1886 - April 1968) a renowned scholar of Sind and a contemporary of Late Allama Iqbal, by publishing with the courtesy of Allama I.I.Kzi Memorial Society, Sind University, Hyderabad a lecture of Allama Kazi,on the philosophy of Girhori, which we earnestly feel shall be of immense interest to the readers of Allama G.A.Parwez - Chief Editor]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

Ladies and Gentlemen! You will recall that in the last lecture or one before, our Professor of Philosophy brought to you the importance and need of ideas. He told you that the Greek people suddenly found out one morning that the four elements air, water, earth and fire that were supposed to be the constituents of this universe, were not so important as the ideas and thoughts or the mind. And so two different things came to be recognized in those days, namely the Matter and the Mind. That is what our Professor of Philosophy told you a week before last

Now today Mr. Jatoi, the lecturer of the day, has carried that argument still further. He has discussed Girhori's philosophy in the context of what we generally call Mysticism or Sufism. He has told you further that there is some Reality even beyond the ideas and thoughts. And this thought process continues on and on, evolving further and further.

You must, however, keep one fact in view at the moment and it is that as the values of life alter, the importance of life also alters. What appears to be useful life today, appears to be absolutely redundant later as we go along. Reality lies somewhere further ahead. We move towards it step by step and as we go further we discover that the life we have lived was not the real life. Thus as values keep on altering, the idea of Reality also keeps on evolving and developing.

Now when we are young, we have love for sweets, love for foods, love for clothes and we think that this is all what life is! As we grow a little older, we realize that it is not the real life. Clothes, foods and sweets are not all that important. There must be something more real in life than that. So the idea alters with age and understanding and we begin to feel that the real life is much different and the Reality is still further off.

Remember when Christ came in the world, he simply said ``That what you have considered life is not life at all, and those who will lose this life will gain the real

life.'' Likewise Qur'an puts it down that this life what you call life is only a provision for real life. It is'nt the life that you are living. Real life is yet to come. It is extended and new. The Quran says:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ
وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

(The life of this world is only sport and play. It is surely the home of the Hereafter that indeed will be life extended and new, if only they know!) ----- 29:64

Now the point to consider is that we along with all the universe and everything in it are evolving and going from one stage to another. As we arrive at the higher stage the lower stage appears to be meaningless. And the importance of higher and higher continues to occupy our mind and then we begin to see more in life as we go up and advance.

Now one mistake that we have made is that we have extended the meaning of the word philosophy, rather too far, Philosophy strictly speaking should be used only when there is available, what we call in scientific or philosophical language, a ''transferable medium''. Now what is that transferable medium? It is a mode by which you make other person understand your point of view. It could be language, it could be logic or it could be rationality, all these things can form a transferable medium between man and man. ''My friends, come on, let us argue. And by argument I will carry my mind's purpose to you. It is easily understandable''. Now this is called a transferable medium. Language has formed a transferable medium between man and man. Therefore, I can, through language carry my meaning to another human being and transfer my ideas to him.

Now philosophy generally concerns itself only with that subject which can be transferred by argument, by talk, by making another man understand. But that which I cannot possibly carry to you by any means or arguments is not philosophy. Philosophy is that which I can make you understand, argue with you and prove to you that I am right. I say this is the argument, this is the logic, this is the proof, you must believe it. But when I say that I know it and you don't know it. I can't tell you what it is, I can't make you understand it, I can't possibly carry it to you, I can't transfer my feelings to you and it is something non-transferable; then it is not philosphy, it is something else.

So mysticism presents more or less that aspect of life in which we cannot carry all at once to another person, what we have seen and experienced. Now if I see a

vision and cannot describe it to another person what I have seen and only say what I have seen, you can't understand and you have to see it for yourself'. Now when it comes to that then the transferable medium has stopped. Then I am not able to transfer my feelings or contents of my mind to you about what I have seen. So there is no transferable medium that my be called esotericism, which concerns with the inner secret life. Whereas, the outside life is the life of intellect, idea, logic which can be argued, which can be conveyed to another man. Thus the word philosophy is limited to that which is transferable and not that which is non-transferable.

So to say that Girhori's life had a philosophy, is very well in a certain sense but there is no real philosophy in the beliefs of Girhori, the faith of Girhori and the life of Girhori, as Girhori cannot prove to us or convey to us in any way why he adopted that life? Why that life is better? He simply says I can't tell you why it is so.

Now you will say then what is this mysticism? What is that great idea that this is no real life? I have told you on several occasions that this present life that we live is not a real life. Now this can be proved by argument, by discussion and by common human parlance. When we discuss the values of life between ourselves and find out that this thing is useless, this thing is worthless then we often wonder that is it this for which we are living? Is it this for which we are existing? In other words we are ruling out certain values in our life. Now if I say that eating and drinking, dressing and showing are unimportant and for that no man would like to live. It is not worthwhile. How long should a man live for it? What sense has it got? And so I keep on ruling out certain values out of my life and think of new values. Thus it is not only by mystic way alone that I begin to enunciate new values but I can do it merely by argument. Likewise I can prove to you that this value is useless. This value on which you place so much emphasis and consider it so important is in fact altogether unimportant. And that this particular thing has something to say, this thing has nothing to say and so we keep on cancelling values, one after the other and rising to higher, higher and higher values. And as we grow in evolution our values keep on altering. Something that we respected, something that we liked, something that we loved in our younger age, we simply do not consider it any more important in our life and we often have a feeling that we have wasted our life, so much so that we greatly repent when we grow older.

Even a man like Sa'adi felt that the fifty years that passed away of his life, they were wasted. He said, had I known that this was all what was in these things, I would have never followed them. But now I find that I have become fifty years old and the values to which I had assigned so much importance looked utterly useless and wasteful now and nothing has come out of them, I have wasted my whole life.

Likewise Mirza Qalich Beg from Sindh in one of his poems also said that he has wasted his entire life.

ڏوڙ دنيـــا آهـــي فـــانـــي،
ڪنهــن ســان ڪيــن نبــائـي ٿـي جـانـي،
ڪيئــي ڪـــان قليــچ ڪمــائــي،
ساري عمر اجائي، اي نادان ڪيئي ناداني.

(This world is transitory. It doesn't endure any one, Qalich you have been foolish, you have wasted your entire life without accomplishing anything).

In the end it comes to this that we say we did nothing. All the years passed away and like children we were busy with little bit of sports, little bit of sweets and little bit of here and there. We were following and chasing butterflies and all the years passed away unnoticed. Now at the end of our journey we find that our hands are empty. What are we carrying and where are we going? That feeling continues to disturb us and we remain dissatisfied and disgruntled all the time.

There is a common saying that the Prophet of Islam used to say Istighfar,(pardon from God) every day. Why did he do that? They said that every day he found himself, higher than he was the day before and he thought he could have been still higher than what he was yesterday. Hence he sought pardon from God. And so every day one finds if one is striving for something, that Oh! this is more important. Oh! this is still more important. Now only I am getting closer to reality, till then I was no where. and that feeling goes on in our mind and it never comes to an end. In other words we can say that the Maarij (higher stages of evolution) cannot be absolutely finished. Man cannot finish of all the Maarij here. He goes on rising, step by step and the higher he goes the more he finds that there is till a great deal to walk yet. And as soon as he finds out by looking back he realizes that how low he was? And what was he doing all this time? So it is purely a relative condition. No religion, no philosophy has clarified this point more than the religion of Islam. The Prophet has said that

حسنـــات الابـــرار سيئـات المقـــربيـــن

(The beauties of pious people are the vices of those who are closest to God)

Those that are still nearer find that this was really a vice in which they were fettered all the time. It was not vice really but it is only lower than the other. Abrars are supposed to be very great people, thousand times better than all other people.. But their beauties often appear to be vices for the Muqarrabeen as they have evolved very high and are closer to Reality. It is like the same thing that to the Hoors of the Bihisht (Paradise), A'raf (a place between Paradise and Hell) appears as complete hell.

حوران بہشت را دوزخ بود اعراف
از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

(The virgins of Paradise consider the place between Paradise and Hell also as Hell but those who are in Hell, to them that place is a Paradise.)

So like that there is no limit of Maarij (ascents) and the higher the man rises, further up he goes. When he turns back and sees what he has left behind he realizes at once and says my God, have I been wasting time? But he doesn't know that nature's demand was that he should rise from nothingness to somethingness. And so he has been going towards it but the only thing is whether he is going fast enough towards it or he is wasting time, year after year.

Ghazali describes that once some people were sitting in their contemplation, concentrating on how they can get over their inner difficulties. And he says, a traveller appeared and wanted to know the road leading to his destination and he touches gently the shoulder of one of these men and says ``Can you kindly tell me which way this road goes.'' The man looks up and says ``for God's sake don't ask me, I have got hardly any time left. Please ask somebody else, leave me alone for God's sake.'' And he goes back into his contemplation and thinks ``Have I really any time left''? The sensibility of time to such people becomes so exaggerated that every minute, they think, have we the next minute left! Because there is so much to walk. And the promise, we make to God in our Viter prayers every night in (دعائے قنوت) is ``We are hurrying to you, striving and jumping to get near you''. But do we?

When we see the actual conditions of life we find, day after day, we repeat the same thing, eating and sleeping, gossiping and talking about politics and abusing and talking ill of someone or other and then going to bed. Next morning getting up again, we follow the same routine, the same breakfast, the same lunch, the same gossip, the same loose talk and then we go to bed again. And this goes on continuously till some

sixty odd years of life are reached. And when the end is about to come, suddenly one morning we realize what have we been doing? Gossiping, gossiping and nothing else then comes the repentance. Where have I arrived? What could have I not done in these sixty years? Where would have I been today if every day I would have utilized fully? This is the condition of man.

Professor Jotoi also described to you what was Shari'at and Tariqat and what was social life and individual life. There again comes some kind of confusion. How are you going to deal with so many people, with whom you have to live? Then how are you going to live with God by yourself. there comes the conflict and the confusion. Are you going entirely to give yourself up to God? What about your duties? So many people have to be fed, so many people have to be dressed and so many people have to be looked after. Are you going to do your duties towards your fellow human being for are you entirely going to sit in contemplation?

Now when we look into the history of man, we find that there have been stages in human evolution when importance was given to one aspect of life and again a period came when another aspect of life was given importance. As you are aware, in time of Moses the Shariat was given main importance. It was said, that if you keep upto the laws, treat your neighbour well, do not steal, do not do this, do not do that, then you are a good man, a pious man. Then comes Jesus after Moses, and he says ``These ways and these laws are no doubt wonderful, but I like to tell you please leave every thing here and follow me. Forget about money, wives, houses and people, they will all look after themselves. What I want you to know is that life is something different. This is not life at all. This is a mere show. And I want to take you to the inner life of the man himself.'' So the history repeats and this goes on and on. Sometime the stage arrives when the outside life, the social life is emphasized. Sometime again the stage comes, when the individual life is emphasized.

But in this Book which we call Al-Qur'an these two aspects of life come to a complete harmony and peace and where this life and the other life find a perfect balance. And that which you call mysticism, has totally disappeared. This is the beauty of the Qur'an. And yet we find that many of our friends who call themselves Muslims are still caught up in that web, that there is some Tariqat entirely apart from Shari'at and Shari'at entirely apart from Tariqat. It isn't all like that. Qur'an has combined them into a perfect one whole. Nothing is left mystical or mystifying. It is clear, like a day light, broad day light, so clear that it can be explained to any one who wants to know.

How does the social life go quietly into the individual's life? How are both balanced and kept side by side without any mystification, without any separation? Latif describes it beautifully:

ساري سِکُ سَبَقُ، شَريعَتَ سَندو، سُهڻي!
طَرِيقَتان تِکو وَهي، حَقيقَتَ جو حَقُ،
مَعرِفَتَ مَرَکُ، اصل عاشِقَن جو.

(Master the lesson thoroughly
That law doth teach Sohini
Then contemplate and mediate
till truth comes near to thee
But reality's vision will be
reward of lovers true)
(Poetic translation by Elsa Kazi)

The entire life he describes with the elements of life, there are in life.

When Hafiz was asked what is Shari'at. He replied in one line;

مباش در پے آزار ہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر زین گناہے نیست

(Do whatever you like but don't hurt anyone because in our code (Shari'at) no other sin is greater than this.)

When he was asked about Tariqat he replied as follows;

وفا کنیم ملامت کشیم خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافری است رنجیدن

(We were all the time loyal, suffered rebukes yet remained happy because in our way of Tariqat it is a crime to be sad and melancholic.)

Now Tariqat and Shari'at, are they separate from each other? One deals with the man's inner mind's self culture and the other deals with the culture which he brings in social life to use. He prepares his inner mind, makes himself a human being worthy of the name, then he comes up and deals with society with that entire being which is now prepared he raises the society to the level of his being. These two sides, Qur'an has so beautifully brought together that only those who can understand Qur'an, will know it. But most don't. Those who, however, understand, know how these two aspects of life, individual and social have been brought to a perfection, harmonized and nothing mystical remains anymore. It is all transferable.

گوہرے دارم صاحب نظرے می جویم

For twenty years I have been crying from the house top. Is there any man who wants to know? Who wants to ask? Who is really inquisitive? What life is without mysticism? Rumi says; ``There was a castle and all the doors were locked. You couldn't get in and see what was lying in the rooms of the King's castle. Then was found the key with which you could unlock all the doors and see openly, what was lying inside. No more mysticism remained. It was clear as clear as the broad day light. Will any one ask; how? I haven't met a man who has yet asked me this question. When I go to the West and when I come to the East, I say, ``Is there any one to ask?"

*(I have a pearl with me and I am seeking a knowledgeable buyer)*Is there any market for it, I want to sell it. Is there anyone who wants to buy it. Latif says: *(I have nothing but truth in my lap. I feel ashamed to offer it to anyone.)*

That is all what it is. there are no more mysteries after the Qur'an. There is no more mysticism. there is no need of them at all. It is a plain day light. Every word can be transferred, can be made to understand and has become philosophy. Everything is explainable, talkable, carriageble, conveyable and quite plain and simple. There is no more secret. All the doors are open. All the secret treasures of the King he had left are open to every body's eyes. Will then some hobby go and have a look? No one is ready. Morning till evening, the same breakfast, the same lunch, the same gossip, the same useless talk, and day after day passes away till the last moment comes and you are no more.

No body inquires about it how it could be known. What is it? What is the secret of life? Have you any thing to say about it? A glorious life is in front of man. But he doesn't enquire about it. He is not inquisitive. He is only dreaming, gossipping and sleeping. Nothing is being done and nothing is being achieved. No body enquires what are the secrets of life.

(It is not given to man to become human easily)

Qur'an stands there un-understood and unheard. But we haven't read it. We hav not tried to understand it. We know nothing about it. But had we seriously tried understand it, there are wonderful treasures and marvelous beauties in every line which w have never looked into.

I hear one gentleman opposite my house reading the Qur'an daily. Everyday at O'Clock in the morning he gets up and recites the Qur'an as loudly as he possibly can. F hours and hours, he goes on. It is his love for Qur'an that keeps him reading it again an again. But I wish five lines he could grasp and understand. And this will be more tha enough for him. All the world's secrets will be open to him. All the keys of secret mysticism will be open to him. And he would have no need of anything.

There is no need of mysticism any more in the world. This is my philosophy. B please! try to change the standard of values. Try to think of life in different terms than wh you have taken it to be. It is wonderful. It is beautiful. It is glorious. It is greatest gift God if you only knew how to utilize the time properly minute by minute. Ten minutes a enough to make a man out of an animal. No more than this time is necessary. Otherwi fifty thousand years cannot make a man from an animal. therefore utilize the time, th merely passing the time. That is like a stream of water flowing way without being utilize But utilize it a little bit. Cut off from this stream of life for a minute and see what wonder beauty lies in it, even aesthetically, leave alone otherwise.

There is a wonderful universe before you. As Ghazali said, the other day I repeate that, is he a human being who sees the stars and thinks that, these are only little dots shining light. Is it all that he knows about the stars he says? And if that is all what he know then he is not a human being. A dog sees as much, the same phenomenon of those bla little sheets and dots. Nothing very new, the dog sees, but if a man sees the same skies th the dog sees, is he a human child? Ten minutes of thought will take him into a univer which will stagger his brain. His imagination will cease after ten minutes of thinking of wh this wonderful universe is! Has he ever thought over it? This is not mysticism. It is p science, I am talking of And so step by step, it is all

Alm-Nashrah:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝
الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝
فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ فَإِذَا
فَرَغْتَ فَانصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

(Have we not opened up your breast and removed your burden which had left you dev hope. And exalted your fame? Surely with hardship there is ease. With hardship i there is ease. So when you are free work diligently and turn to your Lord with all your l ---- 94:1-8

Therefore, we must ask if we do not know, God has given us two lips a tongue, let us speak and ask. Let us not use this poor tongue only for gossip. That have to say. Thank you for listening

DARS-E-QURAN (ABROAD)

(Recorded Lectures of Allama Parwez (r)

BOOKS AND MAGAZINE TOLU-E-ISLAM ARE ALSO AVAILABLE AT THE FOLLOWING PLACES.

v.	**CANADA** 716 The West Mall,Suit 1804 Etobicoke, ONT (416) 620-4471	First Sun 11AM
).	**DENMARK** Mr. M.Afzal Khilji, Gammel Kongevej 47,3.th., 1610 Kobenhavn V	Last Sat 1900 Hrs
	KUWAIT Flat No. 6, Floor No. 3 Taher Bu Hamad Building Oppsite Al-Othman Mosque, Hawally, Kuwait	Friday 9:30 AM
4.	**NORWAY** Galgeberg, 4th floor	1st Sun 4.PM
	Trosvik Snippen.3 1610. Fredrikstad	Sunday 12.PM
5.	**UNITED KINGDIM**	
	(i) Birmingham 229 Alum Rock Road	Sunday 3PM
	(ii) London 76 Park Road Ilford Essex Phone 081-553-1896	1st Sun 2:30PM
	(iii) Yardley 633 Church Road, Yardley, Birmingham B33 8HA (Phone 021-628-3718)	Last Sun 2PM
	(iv) Essex 50 Arlington Road, Southend-on-Sea ESSEX SS2 4UW, Phone 0702-618819	2nd Sun 3PM
	(v) Yorkshire Cardigan Community Centre 145-49 Cardigan Road LEEDS-6 Contact M. Afzal Phone 0532-306140	1st Sun 3PM
	Dars-e-Quran Oslo (NORWAY)	Thursday 21:00PM